باسمہ تعالیٰ

فاسئلوا اهل الذکر (الآیہ)

تقریر طحاوی شریف

المعروف بہ

الحاوی اردو فی حل الطحاوی

من افادات درس

استاذ الاساتذہ حضرت اقدس الشاہ الحاج العلامہ محمد اسعد اللہ صاحب

ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

حواشی

العبد اسلام الحق الاسعدی

مکتبہ اسعدی (دار العلوم) شاہ بہلول

سہارنپور (یو۔پی)

باسمہ تعالیٰ

فاسئلوا أهل الذكر

(الآیۃ)

تقریر طحاوی شریف

المعروف بہ

الحاوی (اردو) فی حل الطحاوی

مِن افادات درس

استاذ الاساتذہ حضرت اقدس الشاہ الحاج العلامہ محمد اسعد اللہ صاحب

ناظم و صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور

حواشی : ــــــــــ اسلام الحق اسعدی مظاہری

: ناشر :

مکتبہ اسعدی (دار العلوم) شاہ بہلول سہارنپور

دوسرا ایڈیشن — قیمت ۱۲/- — ۵-۳-۸۵ء

امام طحاویؒ

و ۲۲۹ھ م ۳۲۱ھ

آپ کا اسم مبارک احمد بن محمد بن سلامتہ بن سلمہ بن عبدالملک بن سلمہ بن سلیم بن جناب الازدی المصری الطحاویؒ۔ کنیت ابوجعفر ہے ابتداءً آپ شافعی تھے مگر بعد میں مذہب حنفی کو اختیار فرمالیا تھا۔ لہٰذا آپ مسلکاً حنفی ہیں۔ امام مزنیؒ جو کہ امام موصوف کے رشتہ میں ماموں بھی ہوتے ہیں آپ کے شیوخ میں بڑے درجہ کے استاد بھی ہیں، جن سے امام موصوف نے بکثرت سماعت حدیث کی اور انھیں سے سنن شافعی کی روایت کرتے ہیں۔ علامہ عینیؒ نخب الافکار میں فرماتے ہیں " امام طحاویؒ کی ثقاہت، دیانت، امانت، فضیلت کاملہ اور علم حدیث میں ید طولیٰ اور حدیث کے ناسخ ومنسوخ کی مہارت پر اجماع ہو چکا ہے۔ امام طحاویؒ کے بعد کوئی انکا مقام پُر نہ کرسکا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں" طحاوی حنفی المسلک ہونے کے باوجود تمام فقہی مذاہب پر نظر رکھتے تھے۔ امام موصوفؒ کے تصانیف میں معروف ترین " معانی الآثار " ہے جو کہ فن حدیث میں بلند پایہ کتاب ہونے کے ساتھ ہی مذہب احناف کے اثبات اور دلائل کے بیان کیلئے ایک خاص مقام رکھتی ہے،

آپ کی پیدائش روز پنجشنبہ ماہ ذیقعدہ سنہ ۲۲۹ھ۔ مصر کے ایک قریہ طحار نامی میں ہوئی ہے (ایک قول سنہ ۲۳۹ھ میں پیدائش کا بھی منقول ہے) ابتدائی تعلیمی حالت پر نظر کرتے ہوئے آپ کے استاد اور ماموں امام مزنیؒ نے بقسم کہہ دیا تھا کہ " تجھکو علم نہیں آئے گا" بعد میں امام موصوف فرماتے کہ اگر مزنی زندہ ہوتے تو قسم کا کفارہ دیتے، امام طحاویؒ کی وفات یوم پنجشنبہ کی شب سنہ ۳۲۱ھ میں ہوئی اور قرافہ میں تدفین ہوئے۔

طحاوی کی توفیٰ اور تولد اور زمان عمر :- محمد مصطفےٰ (۳۲۱) ہے مصطفےٰ (۲۲۹) ہے اور محمد (۹۲) ہے

وفات محمد مصطفےٰ (۳۲۱ھ) پیدائش مصطفےٰ (۲۲۹ھ)، کل عمر محمد (۹۲) سال ھ سے ماخوذ ہے،
آپ امام مسلمؒ، ابن ماجہ اور امام نسائیؒ کے ہم سبق ہونے کے ساتھ ان کے استاد اور شاگرد بھی تھے "

کتاب الطہارۃ

باب الماء یقع فیہ النجاسۃ

حدثنا حماد بن سلمہ:۔ حدیث پاک کی کتابوں میں دو حماد کا ذکر آیا ہے، ایک حماد ابن سلمہ ابن دینار اور دوسرے حماد ابن زید ابن درہم۔ وفضل الاول کفضل دینار علی درھم بس یہ ایک ہی لطیفہ سنانا مقصود تھا اب اس باب کا خلاصہ مختصر الفاظ میں سنو اجماع امت ہے کہ الماء المتغیر بالنجاسۃ ناپاک ہے۔

قلیلاً کان او کثیراً اکذا کان او جاریاً فی جرۃ کان او غیرھا اور ماء قلیل غیر متغیر کے اندر ایک جماعت کے نزدیک کوئی چیز گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا اور دوسری جماعت کے نزدیک ناپاک ہو جائیگا۔ اول والے استدلال کرتے ہیں ان تمام احادیث سے جو بیر بضاعۃ کے اندر وارد ہوئی ہیں، دوسری جماعت کہتی ہے کہ وہ کنواں دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کے اندر ماء قلیل تھا یا ماء کثیر اگر ماء کثیر ہے تو ہم آپ کے ساتھ شریک ہیں، اور اگر ماء قلیل تھا تو آپ ہمارے ساتھ شریک ہوں گے کیوں کہ یہ بات محال ہے کہ اس کا پانی باوجود قلیل ہونیکے اتنی قسم نجاست گرنے سے بھی متغیر نہ ہو۔

یقیناً متغیر ہوگا یہ حدیث بیر بضاعہ میں نجاست گرنے کی صورت میں سوال نہیں تھا بلکہ گفتگو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اس صورت میں ہے جبکہ نجاست نکال لی گئی ہو اب مطلب یہ ہوا کہ انما الماء طہور لا ینجسہ شئی بعد ما خرجت النجاسۃ اس پر سوال ہوگا کہ ایسی صورت میں پانی کے متعلق خاص طور پر سوال کی کیا ضرورت بلکہ جس چیز سے بھی نجاست زائل کردی گئی وہ اب پاک ہے۔ جواب دیا کہ چونکہ کنویں کے پاک کردینے کے بعد اس کی حیطان اور وہ گارا نیچے کا جس میں وہ نجاست پڑی تھی یہ چیزیں اب بھی موجود ہیں تو اس سے شبہ ہوتا تھا۔ کہ آیا وہ کنواں پاک تھا یا نہیں اس کے متعلق سوال کیا اور آپ نے جواب دیا۔ کہ خلاف قیاس یہ کنواں پاک ہو جاتا ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے اول جماعت کو فذھب قوم اور ثانی جماعت کو وخالفھم آخرون سے ارشاد فرمایا۔

ان کے متعلق سنو! فذھب قوم الخ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت سعید ابن المسیب رضوان تعالیٰ علیہم اجمعین صحابہؓ میں سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت داؤد ظاہریؒ حضرت مالکیہؒ و احمد رحمہم اللہ فی روایۃ، وخالفھم فی ذلک آخرون سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہدؒ حضرات احنافؒ حضرات شوافعؒ حضرات حنابلہؒ فی روایۃ، آگے چل کر مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض احادیث کے اندر ولوغ کلب کے کا چاٹنا، وغیرہ کی وجہ سے برتن اور پانی کو ناپاک قرار دیا گیا باوجودیکہ ولوغ کلب سے اوصاف ثلثہ میں تغیر نہیں آتا لہٰذا ان احادیث میں اور بیر بضاعہ

لہ باب الماء یقع فیہ النجاسۃ! ابو سعیدؓ، سہل، جابرؓ، عائشہؓ، میمونہؓ، ابی امامہ، ثوبانؓ، امانی الاحبار ج۱، ج۱، ص۲ بذل ج۱

والی احادیث میں تطبیق اور توفیق دینے کیلئے ضروری ہے کہ مار قلیل کے اندر نجاست گرنے سے پانی ناپاک ہونیکا حکم لگا دیا جائے مگر فرماتے ہیں کہ مار قلیل کے ناپاک ہونے میں شوافع وغیرہ ہمارے ساتھ ہیں۔ لیکن انھوں نے مار قلیل کے مقدار کی ایک خاص تعیین کی ہے۔ اس کو اب یہاں سے بیان فرماتے ہیں۔ غور سے سنو! غیران قوماً وقتوا الخ قوم کا مصداق امام شافعیؒ وامام احمدؒ فی روایۃ اور اسحق ابن راہویہؒ ہیں ان لوگوں نے تعین کیا ہے قلتین کے ساتھ کہ اس سے کم پانی ناپاک ہوجائیگا۔ اور اگر قلتین ہو تو وہ مار کثیر اور مار جاری کے حکم میں ہے اور اس پر ان لوگوں نے متعدد احادیث دلائل کے طور پر پیش فرمائی ہیں۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ جن احادیث سے آپ استدلال کرتے ہیں۔ ان کے اندر سنداً اور متناً اضطراب ہے۔ سند کے اندر اضطراب یہ ہے کہ اس حدیث کا مدار ہے ولید ابن کثیر پر اور وہ سند کے اندر کبھی عن محمد بن جعفر بن الزبیر کہتا ہے اور کبھی محمد بن عیاذ بن جعفر کہتا ہے ایسے ہی آگے چل کر کسی سند میں عبد اللہ مکبراً اور کسی جگہ عبد اللہ مصغراً ذکر کرتا ہے اور متن کے اندر دار قطنی نے اس طرح اضطراب دکھلایا ہے۔ کہ متعدد الفاظ احادیث میں آتے ہیں مثلاً قدر قلتین مقدار قلتین دار قطنی کے اندر قلتین او ثلاثاً ہے۔ یہی امام احمد کی روایت میں ہے، عقیل ابن عدی۔ دار قطنی کی اور روایت میں قلۃً واحدۃً ہے۔ دار قطنی کی تیسری روایت میں اربعین قلۃ ہے، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جو اس حدیث قلتین کے راوی ہیں۔ لیکن اس پر عمل نہیں کرتے یہ دلیل ہے اس بات پر کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ حافظ ابن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ کہ ماذھب الیہ الشافعیؒ من قلتین عقل ونقل کے خلاف ہے۔ لانہ حدیث تکلم فیہ جماعۃ آگے چل کر مصنف علیہ الرحمۃ نے چند اعتراضات کے جوابات دے کر اس باب کو ختم فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ سُؤرِ الْهِرَّةِ

فذھب قوم الی ھذہ الآثار۔ قوم کے مصداق حضرت امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اسحاق ابن راہویہ رحمہم اللہ ہیں۔ نیز حضرات صاحبینؒ ہیں ان لوگوں کے نزدیک سؤر ہرہ پاک ہے لانہ من الطوافین علیکم او الطوافات وانھا لیست بنجس اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وخالفھم فی ذلک آخرون الخ اس کا مصداق حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت امام محمدؒ بھی آپؒ کے ساتھ ہیں، لیکن امام طحاویؒ نے اول جماعت کے ساتھ شمار کیا ہے، شاید ان سے دونوں روایتیں ہوں۔ امام صاحبؒ کے نزدیک سؤر ہرہ مکروہ ہے اور قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ جب مطلق مکروہ بولا جایا کرے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے لیکن ایک قول امام صاحبؒ سے مکروہ تنزیہی کے متعلق بھی آتا ہے تو آپ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اصح اور اصل

---

[۱] امانی الاحبار صفحہ ۶۶ نیز ترمذی، ثوریؒ، ابو عبیدؒ، ابو ثورؒ، علقمہؒ، عکرمہؒ وغیرہم [۲] زفرؒ، حسن بن زیادؒ، طاؤسؒ، ابن سیرینؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، نخعیؒ، ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، سعید بن مسیبؓ، حسن بصریؒ ملا امانی الاحبار ج ۱ صفحہ ۶۶) [۳] ملاحظہ ہو۔۔۔۔۔۔ امانی الاحبار صفحہ ۶۶ ج ۱

مذہب یہ ہوا کہ طاہرٌ للضرورۃ ومکروہًا تنزیھًا فی الاصح ان کان الماءُ موجودًا۔ اول مذہب والوں کا استدلال حضرت ابوقتادہؓ کی روایت ہے، ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ وہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ حمیدہؓ اور کبشہؓ یہ دونوں اس کے رواۃ ہیں، اور ان دونوں کو ضعیف قرار دیا گیا ہے نیز وہاں صرف ابوقتادہؓ کا فعل تھا کہ انھوں نے برتن کو جھکا دیا تھا ان کا فعل ہمارے لئے قابل حجت نہیں اور حضور علیہ السلام کے فعل کو انھوں نے نقل نہیں کیا بلکہ یہ قول نقل کیا کہ انھا لیست بنجس اس سے پانی کے پاک ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے اندر یہ احتمال ہے کہ ان کے گھر میں آنے جانے اور مماستہ ثیاب میں رخصت دینے کیلئے فرمایا ہو کہ اگر وہ کپڑے وغیرہ میں مس کرے اور گھر میں آئیں جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ انھا لیست بنجس بل انھا من الطوافین علیکم او الطوافات۔ لہٰذا حکم سؤر ہرۃ کی کراہیت اور عدم کراہیت پر سوال کرنا احتمال کے پائے جانے کے بعد صحیح نہیں ہے۔ لانہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال آگے چل کر مصنفؒ نے دلیل عقلی بیان کی ہے۔

اس نقل کا خلاصہ یہ ہے کہ لحم کی چار قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ماکول اور طاہر ہو اور دوسرا جو غیر ماکول اور طاہر ہو اول کی مثال لحم الابل والغنم وغیرہ اور ثانی کی مثال لحم آدمی (آدمی کا گوشت) ہے۔ اور سؤر کا مدار لحم پر ہے،

لہٰذا جب لحم پاک ہے تو سور بھی ان دونوں کا پاک ہے تیسرا لحم وہ ہے جس کو شریعت نے حرام قرار دے رکھا ہے، مثلاً لحم الکلب والخنزیر کا مر۔ چوتھی قسم وہ لحم ہے جو نہ طاہر اور نہ حرام بلکہ شریعت نے ان کے کھانے سے منع فرمایا ہے وہ لحم ہے ایسے ہی لحم کل ذی ناب کا حکم ہے اسی میں ہرہ بھی ہے۔ لہٰذا لحم ہرہ منہی عنہ ہے۔ تو اس کا سور بھی منہی عنہ ہوگا۔ نہی تنزیہی و تحریمی دونوں قول ہیں۔ واللہ اعلم۔

بَاب سُؤرِ الکَلب

اس باب کے اندر حضرت مؤلفؒ نے چند احادیث ذکر فرما کر یہ بات ثابت کی ہے کہ سؤر کلب سات مرتبہ دھونے سے پاک ہوتا ہے اور اس برتن کو سات مرتبہ دھویا جائیگا۔ یہ مذہب ہے امام مالکؒ امام شافعیؒ اور احمد رحمۃ اللہ علیہما یہی لوگ مذہب قوم الیٰ ہذہ الآثار کے مصداق ہیں۔ البتہ امام مالکؒ کے نزدیک وہ سور کلب پاک رہے گا اگرچہ سات مرتبہ دھویا جائیگا یہ مذہب حسن بصریؒ کا مختار ہے امام احمدؒ کی بھی ایک روایت ہے اب امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ جب وہ سور کلب آپ کے نزدیک پاک ہے تو غسل سبع مرات کی کیا ضرورت ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ غسل سبع مرات امر تعبدی ہے تعلقی نہیں ہے، ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ امر تعبدی کی چونکہ شریعت کے اندر ندرت اور امر تعلقی کی کثرت ہے لہٰذا بغیر دلیل کے اسکو امر تعبدی قرار دینا درست نہیں ہے دوسرا اختلاف ان ائمہ ثلثہ کا آپس

---

[1] ابن عباسؓ، عروہؒ، محمد بن سیرینؒ، عمرو بن دینارؒ، اوزاعیؒ، اسحاقؒ، ابوثورؒ، ابوعبیدہؒ، داؤد ظاہریؒ، امانی الاحبار ج ۱ ص ۱۳۳

[2] ایضاً ج ۱ ص ۱۳۳ بذل میں امام ثوریؒ سے امام مالکؒ کے چار قول نقل کئے ہیں ص ۴۶ ج ۱

میں یہ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک اس غسل سبع مرات میں تتریب نہیں ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ایک مرتبہ تتریب بھی ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تتریب والی حدیث کے اندر اضطراب ہے اس لئے درست نہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس آخرون کا مصداق حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ ہیں[1] ان کے نزدیک اس برتن کو تین مرتبہ دھویا جائیگا سات مرتبہ نہیں دھویا جائیگا چند وجوہات کی بناء پر اول تمام کا اتفاق ہے کہ پیشاب اور پاخانہ کو اگر تین مرتبہ دھویا جائے تو پاک ہوجائیگا۔ لہٰذا جب اغلظ النجاسات کو تین مرتبہ دھویا جائے تو پاک ہوجاتا ہے تو سؤر کلب جو اغلظ النجاسات نہیں ہے یہ بطریق اولی تین مرتبہ دھونیسے طاہر ہوجائیگا۔ ثانی سبع مرات والی حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ اور ان کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر تین مرتبہ دھولیا جائے تو برتن پاک ہوجاتا ہے۔ لهٰذا راوی کا اپنی مروی کے خلاف فتویٰ دینا دلیل ہے اس بات کی کہ وہ مروی منسوخ ہوچکی ہے اب شوافع رحؒ نے ایک اعتراض کیا کہ قاعدہ ہے کہ الزائد اولیٰ من الناقص اور سبع مرات والی احادیث زیادتی پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا وہ اولیٰ بالعمل ہوں گی،

نمبر۳ والی روایت کیطرف سے ہمارا جواب یہ ہے کہ اس قاعدے پر تو آپ بھی عمل نہیں کرتے کیونکہ عبداللہ ابن مغفل سے ایک روایت ہے کہ آٹھ مرتبہ غسل ہوگا اور آٹھ سات سے زائد ہے لہٰذا آٹھ والی اولی بالعمل ہونی چاہیئے آپ کے نزدیک لہٰذا جیسے آپ نے آٹھ والی حدیث کو منسوخ مانا ہے سات والی حدیث سے، ایسے ہی ہم نے سات والی کو منسوخ مانا ہے تین والی روایت سے شوافعؒ وغیرہ جواب دیتے ہیں کہ آٹھ والی روایت کو اس واسطے منسوخ مانا اور ترک کیا ہے کہ وہ اجماع کے خلاف ہے کسی کے نزدیک بھی آٹھ مرتبہ غسل الاناء نہیں ہے قد قال الحسن فی ذلک بما روی عن عبد اللہ المغفل یعنی اجماع کے خلاف نہیں ہے کیونکہ حسن بصریؒ کے نزدیک آٹھ مرتبہ دھونا واجب ہے لہٰذا آپ کا یہ جواب دیکر دم چھڑا لینا مشکل ہے۔ واما النظر فی ذلک امام طحاویؒ نے یہاں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں ایک اپنی دلیل عقلی بیان کی اور دوسری چیز جو ہے وہ امام مالکؒ پر رد کیا ہے اس بات پر کہ وہ پانی کو اور سؤر کلب کو پاک قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود غسل الاناء سبع مرات کے قائل ہیں ان دونوں باتوں میں سے اول بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم سؤر ہرہ کے اندر نظر قائم کرچکے ہیں کہ سور کا مدار لحم پر ہے لہٰذا کلب اور خنزیر کا چونکہ لحم حرام ہے۔ لہٰذا سور بھی حرام ہے حضرت استاذی مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صرف اتنی نظر قائم کردینا ہمارے مذہب کے اثبات کیلئے کافی نہیں ہے کیونکہ اس سے صرف حرمت اور ناپاکی تو ثابت ہوئی ہے یہ بات ثابت نہ ہوسکی کہ اس کو سات مرتبہ دھویا جائے بلکہ تین مرتبہ دھویا جائے اور دوسری چیز جو امام طحاویؒ نے اس نظر کے اندر بیان فرمائی ہے وہ امام مالکؒ پر رد ہے کہ تم لوگ سؤر کلب کو جو پاک قرار دیتے ہو صحیح نہیں ہے، اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ حدیث قلتین کے اندر یہ بات ثابت ہے کہ جو پانی قلتین سے کم ہوگا وہ یقیناً ناپاک ہوگا۔ اور جو قلتین یا اس سے زائد ہوجائے تو وہ پاک رہتا ہے لم یحمل الخبث ای لم یوثر النجس لہٰذا اگر سؤر کلب قلتین سے کم ہو تو وہ ناپاک ہوجانا چاہیئے ماء قلیل ہوجانے کیوجہ سے اور اگر تم یہ کہو کہ قلتین سے کم یا زیادہ پانی ہر صورت میں پاک ہی رہتا ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں قلتین کی قید

[1] کہ جس طرح دیگر تمام نجاسات کی تطہیر کا حکم ہے۔ ۱۲ بذل ج۱ ص۴۶

بےفائدہ لگائی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلتین فرمانا دلیل ہے اس بات پر کہ اگر اس سے کم پانی ہے تو اس کا حکم کچھ اور ہے وہ یہ کہ ناپاک ہو جائیگا اور اگر قلتین سے زیادہ ہے تو اس کا حکم کچھ اور ہے وہ یہ کہ ناپاک نہیں ہوگا، لہٰذا معلوم ہو گیا کہ سؤر کلب ناپاک ہے اس کے بعد استاذی فرماتے ہیں کہ حدیث قلتین کو امام مالکؒ پر حجت قائم کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ خود حدیث قلتین کے قائل نہیں ہیں لہٰذا امام طحاویؒ کا رد صحیح نہیں ہے۔

بَابُ سُؤرِ بَنِی آدَمُ

امام طحاویؒ علامہ نوویؒ علامہ قرطبیؒ نے اجماع نقل کیا ہے اس بات پر کہ اگر مرد اور عورت ساتھ ساتھ غسل یا وضو کریں تو بالاتفاق جائز ہے کسی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ مرد پہلے فارغ ہو جائے اور پھر عورت کرے یا اس کا برعکس ہو ابن المنذرؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا اختلاف اس صورت میں بھی نقل کیا ہے جبکہ ایک ساتھ دونوں غسل کریں لہٰذا ان لوگوں کا اجماع نقل کر دینا صحیح نہیں ہے بہرحال یکے بعد دیگرے وضو یا غسل کرنے کی صورت میں جو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ امام احمدؒ داؤد ظاہریؒ اسحٰق ابن راہویہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور یہی مصداق ہیں فذھب قومٌ الی ھٰذہ الآثار کے یہ مکروہ کہتے ہیں کہ عورت غسل کرے بسورہ یا مرد غسل کرے بسورہا لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ اذا خلت بہ یعنی اگر عورت نے غسل تنہا کیا تو اس کے سور سے منع ہے ورنہ جائز ہے علامہ نوویؒ نے اجماع نقل کیا ہے کہ اگر عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے تو جائز ہے اور اگر مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے کرے تو جائز نہیں ہے لیکن اس کے اجماع پر چوٹ لگتی ہے امام طحاویؒ کے اس قول سے کہ فذھب قومٌ الحسن البصریؒ سعید بن مسیبؒ کے نزدیک مرد کو عورت کے سور سے غسل کرنا ممنوع ہے مطلقاً ای اذا خلت بہ اولم تخلو بہ اس کے برخلاف دوسری جماعت کے نزدیک مطلقاً ایک دوسرے کے سور سے غسل و وضو جائز ہے اسی کو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ وخالفھم فی ذلک آخرون یعنی امام مالکؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔ یہی مذہب سفیان ثوریؒ کا بھی ہے، اور یہی ایک روایت امام احمدؒ کی بھی ہے یہ تو مذاہب کا خلاصہ ہوا امام احمدؒ وغیرہ کے دلائل شروع کتاب میں اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل خالفھم فی ذلک آخرون کے بعد سے جس کے اندر یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ازواج مطہراتؓ میں سے کسی نہ کسی نے فی اناء واحد غسل فرمایا ہے یہ دلیل ہے جواز کی ان احادیث کے بعد امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ قال ابو جعفر فلم یکن فی ھٰذا حجۃٌ یہاں سے یہ بات بیان کرنی مقصود ہے کہ یہ احادیث جو امام طحاویؒ نے حنفیہ اور دوسرے لوگوں کے مستدل میں بیان فرمائی ہے ان میں سے یکے بعد دیگرے غسل کرنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

کیونکہ ممکن ہے۔ من اناء واحد غسل اس صورت میں ہو جبکہ دونوں ایک ساتھ کریں لہٰذا یہ ہمارے مخالف پر

۱؎ امانی الاحبار ۱۶ ۲؎ ایضاً وبہ قال احمدؒ و اسحٰقؒ لکن قیدہ بما اذا خلت بہ امانی الاحبار ۱۶ ۳؎ وامام الثوری رحمۃ اللہ علیہ امانی الاحبار ۱۷

۵؎ علامہ عینیؒ نے پانچ مذاہب اس میں نقل کئے ہیں۔ امانی الاحبار ۱۷

حجت نہیں ہوگی بلکہ ایسی احادیث دلیل میں پیش کرنی چاہئیں جس کے اندر یہ تصریح ہو کہ ایک نے پہلے غسل کیا اس کے بعد دوسرے نے غسل کیا چنانچہ امام طحاویؒ نے آخر تک اس مضمون کی احادیث بیان فرمائی ہیں آگے نظر قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وقد ردینا فی ھذہ الآثار اس کے اندر شروع باب کی احادیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ غسل نہ کرے اور آخر باب کے اندر جو احادیث ہیں ان سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ اب دونوں کے اندر تعارض ہوگیا۔

لہٰذا دفع تعارض کے کوئی دوسرے معنی متعین کریں گے اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ اگر دونوں ایک ساتھ غسل کریں جائز ہے اور اس میں پانی ناپاک نہیں ہوتا لہٰذا اگر ایک پہلے غسل کرے اور دوسرا بعد میں کرے تو یہ بھی جائز ہونا چاہیئے کیوں کہ اگر نجاست وضو کرتے وقت گرے تو بھی پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر وضو سے پہلے گرجائے تب بھی ناپاک ہو جائیگا لیکن جب جمیعاً کرنے میں پانی ناپاک نہیں ہوتا تو پہلے کرنے میں بھی پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ وھو ماذھب فریق آخر ∴ ∴

نوٹ:۔ شعبی اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ عورت کے سور سے مرد کو غسل اسوقت مکروہ ہے جبکہ حائضہ ہو یا جنبی ہو ∴ ∴ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ التَّسمِيَةِ عَلَى الوُضوءِ

یہاں سے یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ وضو سے قبل تسمیہ ضروری ہے کہ نہیں ؟ ظاہریہ امام احمدؒ اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک تسمیہ علی الوضوء ضروری ہے۔ یہی لوگ مصداق ہیں فذھب قوم الی ھذا اور ان لوگوں نے استدلال کیا ہے۔ لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ سے ترمذی شریف کے اندر ہے۔ ان ترك التسمية عامداً اعاد الوضوء وان کان ناسیاً او متاوّلاً اجزاہ محقق ابن ہمامؒ فتح القدیر کے اندر ص ۱۵ ج ۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ہم کو نظر نے یہاں تک پہونچا دیا کہ تسمیہ واجب ہے حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ لکھنوی کی بھی رائے ہے کہ تسمیہ قبل الوضوء میں وجوب ہے فافھم ! رکن نہیں ہے ان کے شاگرد قاسم قطلوبغا فرماتے ہیں۔ ابحاث شیخنا اذا خالفت المنقولہ لم تعتبر لہٰذا وجوب ثابت نہیں ہوگا بلکہ احنافؒ موالکؒ شوافعؒ کے نزدیک ضروری نہیں ہے۔ کان الاجماع معنا اور یہی لوگ مصداق ہیں۔ وخالفھم فی ذلك آخرون سے اور ان کی دلیل حضرت امام طحاویؒ نے مہاجر ابن قنفذ کی حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے استنجا کرنے کی حالت میں سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ وضو فرمانے کے بعد دیا کیونکہ سلام کے اندر اللہ کا نام ہے اور آپ نے بغیر طہارت کے اللہ کا نام لینا مناسب نہیں سمجھا اس سے یہ ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو و تسمیہ سے قبل کیا ہے کیوں کہ جب آپ نے سلام کا جواب دینا مناسب نہیں فرمایا تو بسم اللہ کیلئے وضو سے قبل حالت غیر طہارت میں کس طرح پڑھتے اور جب ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ترک ثابت ہوگیا تو وجوب کی نفی ہوگئی اور یہی ہمارا مدعیٰ ہے۔

سلہ امانی الاحبار ج ۱ ص ۳۲ وثبت عن ابن عمرؓ والشعبی والاوزاعیؒ المنع الخ سلہ امانی الاحبار ج ۱ ص ۳۳ امام احمدؒ کی ایک روایت دعلی الصحۃ یہی ہے بذل ج ۱

کطلوبغا عہ احناف سہ ص ۹ پر

اب ان کی دلیل کا جواب سنئے کہ وہاں نفی ذات وضو کی نہیں بلکہ کمال وضو کی نفی ہے ای لیس الوضوء کاملا بغیر التسمیۃ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، لیس المساکین الذی تودہ التمرۃ او التمرتان والخ واللقمۃ واللقمتان الخ لیس المومن الذی یبیت شبعان وجارہ جائع اور لا صلوۃ لجار المسجد الا فی مسجد ان سب کے اندر لا لائے نفی کمال کیلئے ہے کہ وہ مسکنۃ ایمان سے نقل کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز ہی نہیں ہوگی بلکہ نماز کامل نہیں ہوگی اہل عرب کا اکثر قاعدہ یہی ہے کہ جب کہیں لا بولتے ہیں تو اس سے نفی کمال مراد لیتے ہیں۔

لہٰذا جب دونوں قسم کی احادیث وارد ہوگئی ہیں. بعض سے جواز اور بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے تو ان دونوں حدیثوں کے اندر تطبیق دینے کیلئے یہ کہا جائیگا کہ جن احادیث کے اندر نفی ہے اس سے کمال کی نفی ہے اور جن سے ثبوت ہے وہ اس ذات کا ثبوت ہے۔ اب آگے چل کر امام طحاویؒ نظر قائم فرماتے ہیں، واما وجہ ذلک من طریق النظر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت سی اشیاء کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر کلام کو دخل ہے لیکن ان میں سے بعض کلام ایجاب کے مرتبے رکھتے ہیں اور بعض ارکان کے مرتبے رکھتے ہیں، مثلاً عقود کے اندر کلام کو دخل ہے۔ بیع وشراء نکاح وطلاق کے بعد اور اسی طرح خلع کے اندر کلام کی ضرورت ہے، اور یہ ایجاب کہلاتا ہے اور عبادات میں نماز کے اندر تکبیر تحریمہ اور حج کے اندر تلبیہ کو دخل ہے اور یہ ارکان میں سے ہیں اب وضوء بھی ایک شئی عبادت میں سے ہے اس کے اندر تسمیہ کو دیکھا جائے تو وہ نہ ایجاب کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اور نہ ارکان کے ساتھ لہٰذا جب دونوں سے تسمیہ فارغ ہوگئی تو اس کو وضوء کے اندر واجب کہنے والوں کا قول باطل ہے آگے ایک اعتراض کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تسمیہ قبل الوضوء کو تسمیہ علی الذبیحہ پر قیاس کر کے قرار دے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ شوافع کے نزدیک تسمیہ ذبیحہ پر ضروری نہیں ہے لہٰذا وضوء پر بھی نہیں ہے۔ اور لوگوں کے نزدیک تسمیہ ذبیحہ پر واجب وضروری ہے۔ وہ لوگ جواب یہ دیں گے کہ آپ کا یہ ذبیحہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ وہاں پر تسمیہ کا اظہار ہوتا ہے اور وضوء کے اندر اظہار ملت کی ضرورت نہیں ہے نیز جیسے وضوء شرائط صلوۃ میں سے ہے ایسے ہی اور اشیاء ہیں جو شرائط صلوۃ میں سے ہیں، باب الوضوء للصلوۃ مرۃً مرۃً وثلثاً وثلثاً مثلاً ستر وغیرہ تو جیسے ان شرائط کے اندر تسمیہ ضروری نہیں ہے ایسے ہی وضوء کے اندر تسمیہ ضروری نہیں اس کے بعد مصنفؒ نے باب منعقد کیا جس سے وضوء مرۃً مرۃً اور ثلثاً ثلثاً قائم فرمایا جس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء ثلثاً ثلثاً بطریق وجوب یا بطریق فرض نہیں تھا بلکہ بطور استحباب کے تھا۔ کیوں کہ دوسری احادیث سے وضوء مرۃً مرۃً بھی ثابت ہے جو عدم وجوب کی بیّن دلیل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب بقیہ صفحہ ۱۰ پر

عہ ظواہر کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اگر تسمیہ بھول جائے تو وضو کا اعادہ ضروری ہے دوسری جماعت کہتی ہے کہ ضروری نہیں ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ باب الوضوء میں مجھے کوئی صحیح حدیث ملی ہی نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تسمیہ عام ہے چاہے بسم اللہ ہو یا اور کوئی ذکر ہو۔ جو لوگ تخصیص کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ صرف بسم اللہ ہونا چاہئے ان کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہونا چاہئے لے ربیعۃ الرائے پر حضرات فرماتے ہیں کہ ابتداء وضوء میں تسمیہ مسنون ہے۔ بذل ص ۱۲، ۱ج، وبہ قال جمہور العلماء وہو اظہر الروایتین عن احمد ج۔ امانی الاحبار ص ۱۲، ۱ج۔ ص ۱۱۹، ۱ج، عہ قلمی کاپی میں یہ نام اسی طرح قلم بند ہے۔ (اسلام غفرلہ)

باب مسح الرأس[1]

اس باب کے اندر یہ بیان فرمائینگے کہ اذنین راس میں داخل ہیں تاکہ ان کا مسح کیا جائے مثل راس کے!
یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ استیعاب راس فی المسح ضروری ہے یا نہیں؟ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے مسح راس میں استیعاب فرمایا ہے جیساکہ شروع باب میں احادیث سے معلوم ہوا ہے، اس بنار پر مالکیہ[1] حضرات کے نزدیک استیعاب ضروری ہے اور اس کو امام طحاوی نے فذھب ذاھبون الخ سے تعبیر فرمایا ہے اس کے بعد امام طحاوی دوسرے لوگوں کا مذہب بیان فرماتے ہیں. خالفھم فی ذلک آخرون الخ کے مصداق حضرات ائمہ ثلاثہ ہیں ان لوگوں کے نزدیک استیعاب ضروری نہیں ہے بلکہ بعض راس جس کو حضرات حنفیہ ربع راس، مقدار ناصیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ ولو شعرۃ واحدۃ اور امام احمد کی بھی ایک روایت یہی ہے اس کے بعد مصنف رح نے وہ احادیث بیان فرمائی ہیں جن سے بعض راس کا مسح ثابت ہوتا ہے. اس کے بعد نظر فرماتے ہوئے کہتے ہیں واما من طریق النظر یعنی وضور کے اعضار دو حال سے خالی نہیں یا مغسول ہوں گے یا ممسوح مغسول میں سے یدین رجلین اور وجہ ہیں اور ان کے اندر تمام کا اتفاق ہے کہ پورے اعضار دھوئے جائیں گے اور جو اعضار ممسوح ہیں ان کے اندر اختلاف ہے کہ کتنے کا مسح ہوگا اب دوسرے پر قیاس کیا جائے گا کہ کوئی اور ممسوح عضو ہے تو حالت تخفیف کے اندر رجلین کو ممسوح پایا اب دونوں ایک جنس کے ہو گئے ہیں. لہٰذا جو خفین کے مسح کے اندر ہوگا وہی مسح راس کے اندر ہوگا اور خفین کے اندر تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ پورے رجل کا مسح فرض نہیں ہے لہٰذا راس کے مسح کا بھی یہی حکم ہے کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم.

باب حکم الاذنین فی الوضوء للصلوٰۃ

اس باب کے اندر بیان فرمائیں گے کہ اذنین راس میں داخل ہیں تاکہ ان کا مسح کیا جائے مثل راس کے یا وہ وجہ میں داخل ہے تاکہ ان کو دھویا جائے اس میں علمار کے مختلف اقوال ہیں[2]. قال ابن شریح تغسلان مع الوجہ وتمسحان مع الراس وجہ یہ کہ دونوں کا جزر ہے. اسحاق ابن راہویہ

---

[1] صفحہ ۹ کا۔ قال ابن رشد اتفق العلمار علی ان الواجب من طہارۃ الاعضار المغسولۃ ہو مرۃ مرۃ اذا اسبغ وان الاثنین والثلاث مندوب الیہما۔ امانی ص۱۳۴ ج۱۔ وفی مسح الراس عند الشافعی فی المشہور التثلیث مندوب خلافاً لابی حنیفہ ومالک واحمد فی الاصح (امانی ص۱۳۹ ج۱)
[1] مالک، جبائی، احمد فی روایۃ، ابن علیہ وبعض البغل ہریرہ (امانی ص۱۵۰ ج۱)، [2] علامہ عینی نے فقہا کے ۱۱ اقوال نقل کیے ہیں. مالکیہ کے چھ ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ان کا مسح فرض ہے۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ مسح وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ واجب نہیں ہے
امام احمدؒ کے نزدیک واجب ہے، ابن مسلمہؒ اور علامہ ابہریؒ کے نزدیک فرض ہے جیسے کہ اسحاق بن شہاب
کے نزدیک داؤد ظاہریؒ زہریؒ کے نزدیک هما من الوجہ یعنی چہرے میں داخل ہیں اور غسل فرض ہے
اس کے بعد مصنفؒ نے چند احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذنین
کے ظاہر کا مسح فرمایا ہے اور باطن کا غسل فرمایا ہے، فذھب قوم الی ھذہ الآثار۔ یعنی اس مذہب کی
طرف ایک قوم گئی ہے وہ حسنؒ ابن صالح اور امام شعبی ہیں ان کے نزدیک اذنین کا باطن حصہ وجہ کے حکم میں ہے
اور ظاہری حصہ راُس کے حکم میں ہیں۔ دوسری جماعت وخالفھم ذلك آخرون الخ یہ جمہورؒ کا مذہب ہے
ائمہ اربعہ اس میں داخل ہیں کہ ان کے نزدیک ظاہر اور باطن کا صرف مسح ہوگا اور پھر آگے چل کر مصنفؒ اپنے دلائل
قائم فرماتے ہیں۔ جن سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اذنین حکم میں راُس کے داخل ہیں اور ان کا مسح ہوگا غسل نہیں ہوگا
اور جو احادیث شروع باب میں ان لوگوں کے مذہب کے استدلال میں ذکر کی گئی ہیں ان سے غسل ثابت نہیں ہوتا
کہ آپؐ نے اس کا غسل فرمایا ہے، نیز جتنی احادیث کثرت کے ساتھ مسح راُس کے اندر وارد ہوئی ہیں غسل ما
اقبل منھا الخ کے بارے میں وارد نہیں ہوئی ہیں۔ واما من طریق النظر۔ یہاں سے دلیل عقلی پیش فرماتے
ہیں کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ اگر کوئی عورت احرام باندھے تو حالتِ احرام میں چہرے کا ڈھانکنا جائز نہیں ہے،
اور سر کا تغطیہ جائز ہے اور اس کے اندر وہ تمام سر کو مع اذنین کے ڈھانک سکتی ہے تو جب اس پر تمام کا اجماع
ہے کہ پورے اذنین کا تغطیہ ہوگا نیز ما اقبل وما ادبر کی قید نہیں ہے تو ایسے ہی مسح اذنین کے اندر بھی یہ
قید ملحوظ نہیں ہوگی۔ وحجۃ اخریٰ انا قد رایناھم اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو کے اندر کل اعضاء چار ہیں،
وجہ، یدین، رجلین، راُس، اس میں سے ہر عضو یا تو پورا مغسول ہے یا ممسوح کوئی عضو ایسا نہیں ہے
کہ اس کے نصف کا حکم کچھ اور ہو، اور بقیہ کا حکم کچھ اور، لہٰذا راُس کے اندر بھی یہی حکم ہے کہ اس کا حکم مسح ہے
لہٰذا اذنین ما ادبر کے موافق ما اقبل کا بھی یہی حکم ہوگا۔ اس کے بعد ابن عباسؓ کی ایک روایت کا ذکر ہے جسکے
اندر ان کا عمل بتلایا گیا ہے کہ ظاہر و باطن اذنین کا مسح فرماتے تھے۔ اور شروع باب میں جو حدیث ان لوگوں کے
مستدل میں بیان کی گئی ہے اس کے اندر حضرت ابن عباسؓ کا ذکر ہے کہ ان سے حضرت علی رضؓ نے فرمایا تھا
کہ الا اتوضأ لك الخ حضرت ابن عباس رضؓ نے ظاہر و باطن اذنین کا مسح فرما کر بتلا دیا کہ وہ احادیث
منسوخ ہیں جو اس قسم کی ہیں ۔

---

[1] امانی الاحبار ص۱۶۲ ج۱ [2] والیہ ذہب اکثر اہل العلم من احباب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبہ یقول سفیان الثوریؒ وابن مبارکؒ واسحاق رحؒ (امانی ص۱۶۲ ج۱) [3] غالباً کاتب ناقل سے غلطی ہو گئی ہے جو کہ ائمہ اربعہ نقل کر دیا ہے البتہ مذاہب کی تفصیل اس طرح نقل کی گئی ہے، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ من الراس ہے اور سر کے پانی سے ہی مسح کیا جائے جدید پانی کی ضرورت نہیں، حضرت امام احمدؒ کی ایک اور بھی روایت ہے کہ جدید پانی لینا مستحب ہے حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ من الراس ہے البتہ جدید پانی لینا مستحب ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ من الراس نہیں، اور نہ من الوجہ البتہ جدید پانی لینا مسنون ہے حضرت امام مالکؒ کی ایک روایت مثل احناف کے ہے (مختصراً امانی الاحبار ص۱۶۳ ج۱) اگر ان اقوال پر نظر کی جائے تو صاف یہ معلوم ہوگا کہ حضرات ائمہ اربعہؒ کا مذہب جو کتاب میں مذکور ہے تو وہ درست ہے اور یہ اجمالی تعبیر ہے) اسلام عفرلہٗ

باب غسل الرجلين في الوضوء

اس باب سے یہ بیان فرمائیں گے کہ رجلین کا وظیفہ وضوء کے اندر کیا ہے مصنف رح نے چند حدیثیں شروع میں ذکر فرما کر ان لوگوں کے استدلال کو بتلایا جو کہتے ہیں کہ رجلین کا وظیفہ مسح ہے فذھب قوم[1] اس کے اندر شیعہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک مسح رجلین واجب ہے، نیل الاوطار ص۱۶۲ پر لکھا ہے، قالت الامامية الواجب مسحها۔ اور امامیہ شیعہ کا ایک فرقہ ہے حسن بصری رح محمد بن جریر طبری ابو علی جبائی سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک اختیار ہے مسح وغسل میں بعض ظاہریہ کے نزدیک جمع کرے گا غسل ومسح دونوں کے اندر[2] ابن عمر رض ابن عباس رض حضرت انس رض سے بھی مسح کا جواز نقل کیا گیا ہے لیکن روح المعانی ص۷۵ پر لکھا ہے کہ مسح کی نسبت حضرت ابن عباس رض اور حضرت انس رض وغیرہ کی طرف کذب ہے، لانه ما روي عن صحابي جواز المسح علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ غسل کے خلاف کسی صحابی رض سے روایت کوئی مروی نہیں ہے، قال ابن ابي ليلى اجمع اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم على غسل القدمين وادعى الطحاوي ان المسح منسوخ[3] یہ خلاصہ ہے ان لوگوں کے مذاہب کا بہر حال اس مذہب میں پیش پیش حضرات شیعہ ہیں، وخالفهم في ذلك آخرون الخ اس کے اندر تمام جمہور[4] داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک غسل ہوگا رجلین کا۔ اس کے بعد مصنف رح نے حدیثیں نقل فرمائی ہیں، اور جمہور کے مذہب کو ثابت فرما کر فریضہ غسل رجلین کو ثابت فرمایا ہے، شروع باب میں احادیث ترغیب ذکر فرمائی جن کے اندر دو پہلو تھے ایک قولی ایک فعلی، اس کے بعد چند حدیثیں ترہیب کی ذکر فرمائیں جس کے اندر رجلین کے نہ دھونے پر وعید وارد ہے، اس کے بعد امام طحاوی رح نے بطریق نظر اپنا مذہب ثابت فرمایا ہے غور سے سنو! واما وجهه من طريق النظر، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث ترغیبہ قویہ سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ وضوء کرنے سے اعضاء کے گناہ جھڑتے ہیں چنانچہ جب وہ اپنے رجلین کا غسل کرے گا تو گناہ جو رجلین کے ذریعہ ہوتے ہیں صاف ہو جائیں گے تو اس سے معلوم ہوا کہ رجلین کا وظیفہ غسل ہے اگر مسح ہوتا تو غسل رجلین پر سقوط خطایا نہ ہوتا جیسے راس کا وظیفہ مسح ہے تو اگر کوئی بجائے مسح کے اس کا غسل کرے تو سقوط خطایا نہیں ہوگا، ایسے ہی رجلین کے اندر بھی ہوتا حالانکہ حدیث سے ثابت ہو گیا کہ غسل پر خطایا معاف ہوتی ہے، وقد زعم زاعم الخ شیعہ لوگوں نے جو نظر قائم کی ہے اس کو یہاں سے بیان فرما کر بھی اس کا رد کریں گے خلاصہ ان کی نظر کا یہ ہے کہ تیمم کی حالت میں راس اور رجلین دونوں کا ایک حکم ہے ان دونوں کا سقوط لا الی بدل ہوا، لہٰذا جب دونوں

---

[1] امانی الاحبار ص۱۸۳ ج۱۔ [2] امانی الاحبار ص۱۲۶ ج۱ وقال بعض اہل الظاہر یجب الجمع بين المسح والغسل [3] قال النوری رح ولم يثبت خلاف ہذا عن احد يعتد به في الاجماع وقال الحافظ في الفتح ولم يثبت عن احد من الصحابة رض خلاف ذلك الخ امانی الاحبار ص۱۸۳ ج۱ بذل ص۹۲ ج۱۔ [4] امانی الاحبار ص۱۸۳ ج۱۔

حکم میں برابر ہوئے تیمم کے اندر ایسے ہی وضوء کے اندر بھی دونوں حکم میں برابر ہوں گے کہ جیسے رأس کا مسح ہے ایسے ہی رجلین کا بھی مسح ہوگا فکان من الحجۃ الخ امام طحاوی رح یہاں سے رد فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ جن اعضاء کا سقوط لاالی بدل ہوتا ہے وہ حکم میں برابر ہیں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ جنبی اگر تیمم کرے تو یدین اور وجہ کے علاوہ تمام اعضاء فریضہ کا سقوط لاالی بدل فرض ہوتا ہے رأس کی طرح، لہٰذا غسل کی صورت میں بھی رأس کا باقی تمام اعضاء کا حکم ایک ہی ہونا چاہیے یعنی صرف مسح حالانکہ پانی ملنے کی صورت میں غسل ہے لہٰذا رجلین کا وظیفہ بھی پانی ملنے کی صورت میں وضوء کے اندر غسل ہوگا۔ مسح نہیں ہوگا۔ حضرت استاذی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ مجھے اس نظر کے اوپر اشکال ہے کیونکہ امام طحاوی کا یہ فرمانا کہ جنبی کیلئے بھی وجدان ماء کی صورت میں تمام اعضاء کا مسح کرنا ہوگا۔ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وجدان ماء کی صورت میں تو رأس کا وظیفہ جنبی کیلئے غسل رأس ہے مسح رأس نہیں ہے وضوء کی طرح لہٰذا جنبی کو قیاس میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ البتہ ان کی نظر کا جواب یہ دیا جائے گا کہ تیمم کے اندر مضمضہ اور استنشاق کا سقوط بھی لاالی بدل ہے لہٰذا یہ بھی حکم میں رأس کے ہوگئے اور وضوء کے اندر رأس کی طرح ان دونوں یعنی ناک و منہ کا مسح ہونا چاہیے حالانکہ اس کے تم بھی قائل نہیں ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

هل الوضوء يجب لكل صلوة

سلف صالحین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ تجدید وضوء ہر نماز کیلئے فرض ہے جیسا کہ آیت کا مقتضٰی ہے شیعہ اور ظاہریہ[1] کے نزدیک مقیمین کے لئے تجدید وضوء لکل صلوٰۃ فرض ہے مسافر کیلئے فرض نہیں ہے۔ وقال بعض العلماء کان ثم نسخ الخ وقال بعضهم علی سبیل الاستحباب۔ حضرات جمہور کے نزدیک محدث کیلئے تجدید وضوء واجب ہے ورنہ مستحب ہے وعلٰی هذا اجماع اهل الفتوٰی الیوم لیکن یہ استحباب اسوقت ہے جبکہ اس سے کوئی کار ثواب کر لیا جائے۔ ورنہ اسراف لازم آئے گا فذهب قوم الی ان الحاضرین۔ اس سے مراد ظاہریہ اور شیعہ ہیں۔ وخالفهم فی ذلك آخرون سے حضرات جمہور مراد ہیں اس کے بعد مصنف رح نے بہت سی احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے ثابت کیا ہے کہ تجدید وضوء لکل صلوٰۃ فرض و واجب نہیں ہے آگے چل کر امام طحاوی رح فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ پہلے یہ واجب ہو لیکن اس کے بعد منسوخ ہوگئی اور دلیل میں ایک روایت پیش فرمائی ہے جس سے ثابت فرمایا ہے کہ پہلے آپ پر تجدید وضوء فرض تھی لیکن یہ منسوخ ہو کر اس کے عوض مسواک واجب ہوگئی ہے حالانکہ مسواک کے وجوب کا قائل جمہور

ع حضرت اقدس ناظم صاحب[2] اسلہ قال العلامۃ العینی[2] والمراد به وضوء المتوضی یعنی یکون علی طہارۃ و امانی الاحبار ص۲۱۵ ج۱)
[1] امانی الاحبار ص۲۱۵ ج۱ نیز علماء کی ایک جماعت سے بھی وجوب نقل کیا ہے، امانی ص۲۱۵ ج۱، ص۲۱۷ ج۱ [2] امانی ص۲۱۶ ج۱، بذل ص۴۰ ج۱
[3] امانی ص۲۱۵ ج۱ [4] بذل ص۴۰ ج۱

میں سے کوئی نہیں ہے۔ اس کا جواب دیا کہ مسواک کا وجوب صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات میں سے ہے امت کیلئے واجب نہیں ہے کما دل علیہ قولہٗ علیہ السّلام لولا ان اشق علی امتی لا مرتھم بالسواك وتاخیر العشاء نقل دلیل کے بعد امام طحاوی رح نے دو۲ دلیلیں عقلی قائم فرمائی ہیں. واما وجہ ذٰلك من طریق النظر۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں ع۱ حدثِ اصغر جیسے بول وبراز ریح وغیرہ اور ایک حدثِ اکبر جیسے احتلام وجماع وغیرہ کی طہارت کی دو قسم ہوگئی اور نوع اول والے حدث سے طہارت کا نام صغریٰ اور نوع ثانی کی طہارت کو طہارت کبریٰ کہتے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ جنابت بالجماع کے بعد جب غسل کر لیا جاتا ہے تو وہ غسل مرور اوقات سے ختم نہیں ہوتا بلکہ باقی رہتا ہے ایسے ہی وضو ربول براز کے بعد جو کی گئی ہے اس کو مرور اوقات ختم نہیں کرے گا بلکہ باقی رہے گی۔ البتہ حدثِ اصغر لاحق ہو جائے تو اب یہ طہارۃ اصغر (وضو) واجب ہو جائے گی جیسے غسل کے اندر ہے۔ وحجۃ اخریٰ انا رأینا ھم الا اسکا خلاصہ یہ ہے کہ تم لوگوں کے نزدیک مسافر کیلئے تجدید وضو لکل صلوٰۃ واجب نہیں ہے بلکہ صرف مقیم کیلئے واجب کرتے ہیں لیکن عقل وقیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مسافر کی طرح مقیم کا بھی حکم ہونا چاہیئے دونوں میں اتفاق ہونا چاہیئے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری جگہ طہارت اور نقض طہارت کے حکم میں دونوں برابر ہیں۔ مثلاً بعض طہارت کا احداث سے ہوتا ہے اس کے اندر مسافر اور مقیم دونوں برابر ہیں مثلاً اگر حدثِ اکبر احتلام وجماع وغیرہ لاحق ہو جائے تو سب کی طہارت کا نقض ہے اور ایسے ہی بعض طہارت کا نقض خروج وقت سے ہوتا ہے۔ مثلاً مسح علی الخفین کیلئے خروج وقت ناقض ہے اس کے اندر مسافر اور مقیم سب کے سب برابر ہیں۔ اگرچہ مدت اور وقت کے اندر اختلاف ہے کہ مسافر کیلئے کتنی مدت ہے اور مقیم کیلئے کتنی مدت ہے۔ لیکن فی نفسہٖ خروج وقت کو نقض میں دونوں جگہ داخل ہیں لہٰذا جب ان دونوں جگہ مسافر اور مقیم دونوں برابر ہیں تو تجدید وضو لکل صلوٰۃ مالم یحدث کے حکم میں بھی مسافر اور مقیم دونوں برابر ہوں گے اور کسی ایک کے لئے بھی واجب نہ ہوگی ۔:۔

بَابُ المَذی

مذی بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک ناپاک ہے لیکن اس بات کے اندر اختلاف ہے کہ اسکے خروج کے بعد کتنے عضو کا دھونا واجب ہے؟ امام مالکؒ کے نزدیک پورے ذکر کا غسل واجب ہے یہی ایک روایت امام احمدؒ کی ہے کہ مع انثیین دھونا واجب ہے، فذھب قوم کے مصداق یہی لوگ ہیں جن کا مسلک ابھی گذرا دوسری جماعت کا بیان وخالفھم فی ذٰلك اس کے مصداق حضرت امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ داؤد ظاہری رح ہیں۔ جمہور علماء ہیں

ع۱ مشکوٰۃ ص۴۵ عن محمد بن یحیٰی بن حبان الخ ... فیہ ... أمر بالسواك عند کل صلوٰۃ والحدیث، ۱ے امانی الاحبار ص۲۳۵ ج۱ کما قال ابن العربی ولم یخالف فی ذٰلك الا بعض الامامیہ اھ ۲ے والیہ ذھب الاوزاعی وبعض الحنابلہ وبعض المالکیہ رح الخ امانی ص۲۳۵ ج۱.
۳ے امانی الاحبار ص۲۳۵ ج۱ وھو قول الجمہور کما قال الحافظ وھو روایۃ عن المالکیہ کما فی ... امانی ... ج۱

ایک روایت مالکیہ کی بھی یہی ہے ان تمام کے نزدیک صرف موضعِ نجاست کا دھونا واجب ہے پورے ذکر کا دھونا واجب نہیں ہے اور جن احادیث سے ثبوت ہے وہ محض تقلص کیلئے تھا۔ یعنی وجوب کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ عضو، قدوس سکڑ جاتا ہے اس کے بعد حضرت امام طحاوی نے نظر قائم فرمائی۔ اس نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ خروج مذی حدث ہے اب ہم نے جو غور کیا کہ احداث کے خروج سے کیا واجب ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ غسل ما اصاب البدن منه سے واجب ہوتا ہے مثلاً خروج غائط خروج بول خروج دم یہ سب احداث ہیں کسی ایک کے نکلنے سے صرف بدن کے اسی حصے کا دھونا واجب ہوتا ہے جہاں وہ لگا ہے۔ لہٰذا خروج مذی سے بھی اسی حصے کا غسل لازم آئیگا جس جگہ وہ لگی ہے پورے کا دھونا واجب نہیں ہے، فہٰذا قول ابی حنیفہ و ابو یوسف و محمد، واللہ اعلم وعلمہ اتم ؛

باب حکم المنی هل هی طاهر ام نجس

اس باب کے شروع میں حضرت مؤلف نے چند احادیث ذکر فرما کر یہ مسئلہ ثابت کیا کہ منی پاک اسکے غسل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ کھرچ دینا رگڑ دینا ہی کافی ہے آگے فرماتے ہیں فذهب الذاهبون الی ان المنی طاهر اور اوپر جو مسئلہ گذرا ہے یہ مذہب ہے امام شافعی اور داؤد ظاہری کا اور ایک روایت احمد بن حنبل سے ہے اس کے برخلاف جن لوگوں کے نزدیک منی ناپاک ہے ان کو یہاں بیان فرماتے ہیں۔ وخالفهم فی ذالك آخرون۔ یعنی حضرت امام مالک اور حضرت امام اعظم کے نزدیک نجس و ناپاک ہے البتہ ان دونوں حضرات میں اتنا فرق ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اگر منی یابس ہے تو فرک کافی ہے اور امام مالک کے نزدیک لابد من غسله ہے امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہمارے مذہب کے موافق ہے لیث کے نزدیک منی ناپاک ہے لیکن لا تعاد الصلوٰة ان صلی فیه، حسن بصری کے نزدیک اگر منی کپڑے کو لگی ہے تو نماز کا اعادہ نہیں ہے اور اگر منی بدن پر لگی ہے تو اعادہ ہے ہماری طرف سے شوافع کے مستدلات کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے ان کپڑوں سے منی کا فرک ہوتا تھا جو آپ سونے کیلئے پہنتے تھے۔ ان کپڑوں کے متعلق جن میں نماز پڑھتے تھے حدیث کے اندر کوئی ذکر نہیں ہے اور یہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے کہ اگر کپڑے میں منی بول وبراز وغیرہ کچھ لگ جائے تو اس کے اندر سونا جائز ہے البتہ ان کے اندر نماز جائز نہیں چنانچہ آگے چل کر امام طحاوی نے چند احادیث ایسی ذکر فرمائی ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس کپڑے کو دھلوایا جس میں منی لگی ہوئی تھی اور پھر نماز کیلئے اس کو پہن کر تشریف لے گئے۔ وان بقی الماء فی ثوبه اس پر ان لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی روایات مروی ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس کپڑے کے ساتھ نماز

عہ اگر پڑھ لی گئی تو اعادہ کی ضرورت نہیں، سه واسحاق و هو قول سفیان الثوری۔ وقال الثوری بذا الحکم الخ امانی ص ۲۳۸ / ۱۲
سله اوزاعی۔ الثوری۔ لیث بن سعد، حسن بن حی اور ایک روایت امام احمد۔ وقال القاضی عیاض وجهوا العلماء علی نجاست الا الشافعی واصحاب الحدیث فقالوا بطهارته ۱۲، امانی ص ۲۵۲ / ۱۲

پڑھی جن پر منی لگی تھی اور اس پر غسل نہیں کیا تھا صرف اس کا فرک فرمایا تھا اس کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ منی کے فرک کے بعد کپڑا پاک ہو جاتا ہے اور یہی ہمارا بھی مذہب ہے۔ ان کان المنی یابسًا اور اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ منی فی نفسہ پاک ہے تو اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کہ جوتے وغیرہ کو اگر گندگی بول براز لگ جائے تو مٹی کے رگڑ دینے سے پاک ہو جاتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بول و براز فی نفسہ پاک ہو جائے اس کے بعد امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں حضرات صحابہؓ کا عمل بھی مختلف ہے لہٰذا اب قیاس کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ خروج منی اغلظ احداث میں سے ہے، نظر و فکر سے معلوم ہوا کہ وہ تمام اشیاء جن کا خروج حدث قرار دیا گیا ہے وہ فی نفسہ نجس ہوتی ہیں مثلاً بول و براز دم عرق دم حیض و استحاضہ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ ما کان خروجہٗ حدثاً فھو نجس خروج منی بھی حدث ہے۔ فھو ایضاً نجس وھو مذہب ائمتنا الثلاثۃ — واللہ اعلم بالصواب :

بَابُ الذی یجامع ولم ینزل

یہاں سے اس شخص کے متعلق مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ جو جماع کرے اور اس کو انزال نہ ہو اس فعل کو اساک کہتے ہیں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ آیا اساک سے غسل واجب ہے یا نہیں ہے، مصنفؒ نے شروع میں چند احادیث ایسی ذکر فرمائی کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل واجب نہیں ہے اور جن لوگوں نے اس مذہب کو اختیار کیا انکے متعلق فرمایا، فذھب قوم الٰی ان من وطی ان لوگوں میں صحابہ کے اندر مسروق حضرت عمرؓ ابن عبدالعزیز کا نام نامی آتا ہے تابعین میں سے، حضرت علی ابو سعید سعد ابن ابی وقاص زید ابن خالد رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ظاہریہ ہشام عطار اعمش وغیرہ سے بھی یہی مذہب منقول ہے آگے بیان ہے وخالفھم فی ذلک آخرون۔ اس کے اندر تمام امت اور جمہور علماء داخل ہیں اب امت کا اجماع ہے کہ غسل واجب ہے اس کے بعد مصنفؒ نے چند احادیث جمہور کی تائید میں ذکر فرمائی ہیں ان سے یہ ثابت فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب التقاء ختانین فرماتے تھے تو غسل فرماتے تھے سواءٌ انزل او لم ینزل اس پر ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ ان احادیث سے حضور علیہ السلام کا فعل اگرچہ معلوم ہو گیا لیکن یہ کہاں سے معلوم ہو گیا کہ واجب بھی تھا۔ یہاں پر گویا خلاصہ یہ نکلا کہ ان احادیث سے غسل واجب نہیں ہے جو احادیث ضروری ہیں وہ دو قسم کی ہیں ایک تو یہ کہ الماء من الماء اور بعض احادیث دوسری قسم کی ہیں کہ لا غسل علی من اکسل حتی ینزل اب ان میں سے اول قسم کی جو احادیث ہیں ان کے متعلق حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں، انما ذلک فی الاحتلام اذا رأی انہ یجامع

لہ وقد روی عن جماعۃ من الصحابۃ رضؓ ومن الانصار رضؓ انھم لم یروا غسلا الا من انزال الماء ـ ثم روی انھم رجعوا عن ذلک (امانی ص۲۷ ج۱) ۲ ابو سلمہؓ بن عبدالرحمن، اعمشؒ، داؤد ظاہریؒ (امانی ص۲۹ ج۱)، ۳ وقد ذھب الی ذالک الخلفاء الاربعۃ والعترۃ والفقہاء وجمہور الصحابۃ رضؓ والتابعین ومن بعدھم۔ امانی ص۳۱ ج۱، ۴ ثم روی عن عمرؓ انہ قال من خالف فی ذالک جعلتہ نکالًا والفقہ الاجماع علی وجوب الغسل الخ امانی ج۱ ص۳۲

عہ باوجود تلاش کے صراحتاً یہ نام مخالف میں نہیں ملا۔ غالباً کاتب سے سہو ہوا ہے ۱۲ احمد کاظم غفرلہٗ

ثم لم ینزل تو معلوم ہوا کہ ان احادیث کا محمل خاص ہے۔ نیز بعض لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ اول اسلام میں تو ایسا تھا لیکن یہ حدیث الماء والی دوسری احادیث سے منسوخ ہوگئی ہے دوسری نوع کی احادیث ان کا جواب یہ ہے کہ جیسے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اس طرح اس کے خلاف بھی حضور علیہ السلام سے مروی ہیں مثلاً ایک روایت میں آتا ہے:۔
اذا قعد بین شعبہ الاربع الحدیث اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل واجب ہے انزال ہونا شرط نہیں ہے جب دو متعارض قسم کی حدیثیں جمع ہوگئیں تو دونوں کے اندر جمع کی صورت تلاش کی گئی تو چند آثار ایسی ملیں جن سے معلوم ہوگیا کہ شروع میں اکسال سے غسل واجب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ۔ حضرت ابن عباس رضؓ ابن کعب رضؓ حضرت عثمان رضؓ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہم ان سب سے نسخ ثابت ہے اور پھر حضرت علی رضؓ حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں اس پر اجماع سکوتی ہوگیا۔ اب آگے امام طحاوی رحؒ نے نظر قائم کی۔ واما وجهه من طريق النظر یہاں سے مصنف رحؒ دلیل عقلی پیش کرتے ہیں کہ اکسال میں غسل ہونا چاہیئے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکسال اور جماع مع انزال بہت سے احکام میں شریک ہیں، جو اشیاء جماع الانزال سے واجب ہوتی ہیں وہی اکسال سے واجب ہوتی ہیں مثلاً روزے کا فاسد ہو جانا۔ حج میں دم کا واجب ہو جانا۔ قضائے حج اس پر ہونا اور زنا کرنے کی صورت میں حد کا واجب ہونا۔ خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ وطی فی الشبہ کے اندر حد کا ساقط ہونا مہر کا واجب ہونا وغیرہ وغیرہ تمام احکام جیسے اس جماع پر مرتب ہوتے ہیں جس کے اندر انزال ہوا ایسے ہی اس جماع پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ جس کے اندر انزال نہ ہو۔ لہٰذا جب یہاں حکم میں برابر ہیں تو غسل کے واجب ہونے میں بھی دونوں برابر ہوں گے جیسے جماع مع انزال موجب غسل ہے وحجة اخرى فى ذلك اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک اکسال سے غسل واجب ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں پر غسل واجب نہیں ہے خواہ اس کو مخالطہ میں انزال نہ ہوا ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ جیسے اسی مخالطہ میں جس کے اندر انزال ہو مرد و عورت کا ایک ہی حکم ہے۔ اسی طریقہ سے اگر مخالطہ کے اندر انزال نہ ہو تو مرد و عورت کا ایک ہی حکم ہوگا کہ جیسے مرد پر غسل واجب ہے اسی طرح عورت پر بھی غسل واجب ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ واللہ اعلم:۔

بَابُ اَكْلِ مَا غَيَّرَتِ النَّارُ هَلْ يُوجِبُ الْوُضُوْءَ

اس باب کے اندر بیان فرماتے ہیں کہ لکلّ ممامسّت النار سے وضو واجب ہو جاتا ہے چند حدیثیں شروع میں اس مسئلہ کے اثبات میں ذکر فرما کر ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو اس مسئلہ پر عمل کرتے ہیں فذهب قوم الى الوجوب مما غيرت النار اس قوم کے مصداق ظاہریہ عمر بن عبد العزیز رحؒ حسن بصری رحؒ ابو قلابہ رحؒ اسحاق بن راہویہ رحؒ اور امام احمد بن حنبل رحؒ ہیں لیکن یہ مسلک شروع میں رہا اس کے بعد اب تمام کا اجماع ہے کہ کوئی اختلاف نہیں ہے یعنی اب

لہ ادجز ص۱۶۔ ۱۲ ؎ مشکوٰۃ ص۴۵ بروایت ؎ امانی ص۳۵ ۱۲۔۔۔ ان کے علاوہ صحابہ رضؓ اور تابعین رحؒ کے بہت سے اسماء گرامی بھی نقل کئے ہیں۔ ۱۲ ؎ وكان الخلاف فيه زمن الصحابة رضؓ ثم استقر رأى فقهاء الفتوى واجماع العلماء بعد على انه لا ينقض الطهارة (امانی ص۲۹۶ ۱۲)

وضوء واجب نہیں ہوتا۔ وخالفهم في ذلك آخرون اسی میں جمہور امت داخل ہیں اور پھر جمہور کے استدلال میں متعدد حدیثیں ذکر فرمائی ہیں جن سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے الاکل مامست النار کے بعد وضوء نہیں کیا آگے چلکر فرماتے ہیں کہ جن احادیث سے آپ کا وضوء کرنا ثابت ہے اس سے وضوء شرعی مراد نہیں ہے بلکہ وضوء لغوی مراد ہے یعنی ہاتھ منہ دھونا۔ اور اگر وضوء شرعی مراد لیا جائے تو ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ حدیث متعارض ہے بعض سے وضوء کرنا اور بعض سے وضوء نہ کرنا معلوم ہوتا ہے اول کیلئے ناسخ بنے گی۔ چنانچہ ہم نے تتبع اور تلاش کے بعد بہت سی اس قسم کی حدیث کو پایا جن سے ہماری توجیہ معلوم ہوتی ہے چنانچہ حدیث کے اندر وارد ہے کہ کان آخر الامرین[۱] لرسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما مست النار۔ نیز اس کے علاوہ اور بہت سے اقوال ہیں اور افعال صحابہ اس مذہب پر دلالت کرتے ہیں ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میرے لئے غلط کلمہ بول کر وضوء کرنا بہتر ہے اس سے کہ طیب شئی کھا کر وضوء کروں حضرت عمرؓ کا مقولہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کو جبکہ انھوں نے حدیث مامست النار سنائی کہ پھر تو ماء سخن اور دھن سخن کے بعد بھی وضوء کرنا چاہیئے، یہ تمام اقوال دلیل ہیں وضوء مامست النار کے نہ ہونے پر ایسے ہی ابو امامہؓ فرماتے ہیں الوضوء مما يخرج وليس مما يدخل۔ نیز جن صحابۂ کرامؓ سے وضوء کرنا ثابت ہے انھیں سے یہ بھی ثابت ہے کہ انھوں نے وضوء کا انکار فرمایا ہے۔ بہر حال اب ائمہ اربعہ کے مذہب یہی ہیں کہ مامست النار سے وضوء نہیں ہے آگے فرماتے ہیں غور سے پڑھو وقد ذهب قوم بين قوم الغنم۔ یعنی ائمہ اربعہ کے نزدیک جس میں امام احمد بن حنبلؒ اور اسحق راہویہؒ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ لحوم ابل اس نسخ سے مستثنیٰ ہے اور ان کے کھانے کے بعد وضوء واجب ہے اور چند احادیث اس کے ثبوت کیلئے ذکر فرمائی ہیں لیکن ائمہ ثلاثہ نے جواب دیا کہ ممکن ہے کہ یہاں بھی وضوء لغوی مراد ہے اور ایک جواب یہ ہے کہ حدیث گذر چکی ہے کان آخر الامرين الخ اور مامست النار کے اندر جیسے لحوم غنم ہے ایسے ہی لحوم ابل۔ لہٰذا سب پر نسخ وارد ہوگا آگے اس پر نظر قائم فرماتے ہیں واما من طريق النظر اسی کا خلاصہ یہ بھی ہے کہ غنم و ابل میں بیع وشرا اکل وشرب وغیرہ کے اعتبار سے بھی فرق نہیں، ہے سب کا حکم یکساں ہیں لہٰذا عدم وضوء کے حکم میں بھی سب برابر ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

باب مس الفرج هل يجب الوضوء ؟

اس باب کے اندر یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ مس ذکر و فرج ناقض وضوء ہے یا نہیں ؟ فذهب قوم الى هذا الاثر اس کے مصداق ہیں حضرتؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام اوزاعیؒ امام اسحاق ابن راہویہ رحمہم اللہ اور مشہور روایت کے اعتبار سے احمد بن حنبلؒ بھی داخل ہیں ان سب کے نزدیک مس ذکر ناقض وضوء ہے۔ وخالفهم ذلك آخرون

[۱] قال الحازمیؒ ذهب اكثر اهل العلم وفقهاء الامصار وايضاً ص۳۰۵ [۲] بذل ص۱۱۱ ۱۲ امانی ص۳۰ [۳] دکھیز انقل الاجماع علی ترک الوضوء مامست النار النووی والشعرانی والباجی وابن قدامۃ وغیرہم ۔۱۲ امانی ص۲۹۹ ۱۲ [۴] وھو قول جماہیر التابعین کما ادعی الشوکانیؒ وقال وھو مذہب مالکؒ وابی حنیفۃؒ والشافعی رح وابن المبارک واحمد واسحاق بن راہویہ الخ امانی ص۳۰۰ ۱۲ [۵] قال الشوکانیؒ وقد ذہب الی ذلک عمرؓ وابنہ عبداللہؓ وابو ہریرۃؓ وابن عباسؓ وعائشۃؓ وسعد ابن ابی وقاصؓ وعطاءؒ والزہریؒ وابن المسیبؒ ومجاہدؒ وابانؒ وسلیمان بن یسارؒ والشافعیؒ واحمدؒ واسحاق رح ومالکؒ فی المشہور الخ بذل ص۱۱۴ ۱۲ [۶] جیسا کہ خود اصل کتاب میں منقول ہے ۱۲ اسلام غفرلہٗ

اسکے اندر جابر امت حضرت امام ابوحنیفہ رح اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رح بھی داخل ہیں ان حضرات کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے اور ان لوگوں نے علت بیان کی ہے کہ تم نے جس صورت سے یعنی حدیث سے استدلال کیا ہے اس کے اندر بُسرۃ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں اور ان کی تضعیف کی گئی ہے چنانچہ ربیعہ رض کہتے ہیں کہ واللہ لوان بسرۃ شہدت علی ھذا النعل لما اجزت شہادتھا۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں خون یا حیض میں ہاتھ ڈالدوں تو میرا وضو نہیں ٹوٹتا ہے تو مس ذکر اس سے اھون ہے کیسے وضو ٹوٹ جائیگا۔ نیز آپ کی سند کے اندر مروان ہے اور اس کا ایک شرطی وہ دونوں متکلم فیہ ہیں نیز آپ کی سند کے اندر زہری رح کے بعد عروہ رض کا ذکر ہے حالانکہ زہری رح اور عروہ رض کے درمیان عبداللہ ابن ابوبکر رض ایک راوی ہیں اس کو ترک کر دیا تو اس سند کے اندر تدلیس بھی ہے اس کے بعد مفصل طور پر کلام کیا گیا ہے کہ اگر فریق مخالف اس کے علاوہ جس حدیث سے بھی استدلال کریگا اس کے اندر کوئی نہ کوئی راوی ضعیف ہوگا اس کے بعد فرماتے ہیں کہ البتہ بہت سے ایسے آثار مروی ہیں کہ جن سے وضو کا نہ ہونا ثابت ہے اور ان کے اندر کلام نہیں ہے لہٰذا وہ راجح ہونگے نیز عقلی تقاضہ بھی یہی ہے کہ مس ذکر سے وضو نہیں ہے کیونکہ ظہر کف ذراعین سے مخالف کے نزدیک بھی نقض وضو نہیں ہوتا تو جب ان دونوں سے نقض وضو نہیں ہے، تو اس باطن کف سے بھی نہیں ہوگا۔ اسی طرح فخذ کا مس اکثر ذکر سے ہوتا رہتا ہے اور خصیتین کا ہمیشہ مس اور تلاقی ذکر سے ہوتا رہتا ہے اور یہ دونوں ستر ہیں تو جب ستر کا مس ناقض وضو نہیں ہے تو غیر ستر یعنی ہاتھ سے بھی نقض نہیں ہوگا۔ اس کے بعد امام طحاوی رح فرماتے ہیں کہ بہت سے وہ صحابہ رض جن سے وضو والی احادیث مروی ہیں۔ انہیں سے اس کے خلاف بھی مروی ہیں۔ اور پھر چند احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے یہ ثابت فرمایا کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے بلکہ ذکر کا مس مثل دوسرے اعضاء کے مس کے ہے اور جیسے ان سے وضو واجب نہیں ہے ایسے ہی مس ذکر سے نہیں ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی تو جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس طرح دوسری جگہ کے مس سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح یہاں بھی ہے۔ یعنی یہاں بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔:

بابُ المسح علی الخفین[1]

اس باب کے اندر واضح فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین موقت ہے یا غیر موقت ایک جماعت کے نزدیک جن[2] میں امام مالک رح لیث بن سعد اور ایک قول قدیم امام شافعی رح کا ہے کہ مسح علی الخفین غیر موقت ہے اور یہی لوگ فذھب قوم الی ھذہ الآثار کے مصداق ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون کے مصداق حضرت امام ابوحنیفہ رح اور امام احمد رح اور قول جدید مشہور امام شافعی رح کا اور جمہور امت[3] اس کے مصداق ہیں ان لوگوں کے نزدیک مسح موقت ہے مقیم کے لئے ایک رات ایک دن

---

[1] سفیان ثوری رح، شریک، حسن بن حی رح کما فی السعایۃ ابن عبدالبر رح عبداللہ بن مبارک رح (امانی ج ۲)؛ [1] وذہب، عامۃ جمہور کثیر من العلماء الصحابۃ رض والتابعین رح منہم علی رض عمار بن یاسر رض عبداللہ بن مسعود رض حذیفہ بن یمان رض عمران بن حصین رض سعید بن مسیب رح حسن بصری رح سعید رح ابراہیم نخعی رح ربیعہ رح سفیان ثوری رح (بذل ص ۲ ج ۱)؛ [3] وہو روایۃ عن اصحاب مالک والحنابلۃ رح کما فی الاوجز (امانی ص ۳۳ ج ۱)؛ [4] الفقت الامۃ خلافا لروافض واجمعت الامۃ علی جواز المسح علی الخفین، عن ابی حنیفۃ رح من شرائط السنۃ والجماعت بذل ص ۹۵ ج ۱؛ [5] قال الشوکانی رح بال مالک والیث رح انہ ورد عن الحسن البصری رح امانی ص ۵ ج ۲؛ [6] ایضا [7] حتی یجعلوا المسح دالخیج لوقت الثلاث للمسافر و لالوقت الیوم للمقیم الخ امانی ص ۲۲ ج ۲؛ [8] نیز سفیان ثوری رح اوزاعی رح حسن بن حی رح داؤد بن علی رح اسحاق رح وجملہ اصحاب الحدیث رح کے اسماء بھی نقل کئے ہیں۔ ایضا

چوبیس[۲۴] گھنٹے، اور مسافر کیلئے تین دن تین رات یعنی ۷۲ بہتر گھنٹے تک مسح کی اجازت ہے اول جماعت کا استدلال حضرت ابی بن عمارہ رض کی حدیث ہے۔ جو شروع باب کے اندر ہے دوسرا استدل ان کی وہ روایت ہے جس کے اندر حضرت عمر رض کا قول اس شخص کے متعلق جس نے ایک ہفتہ تک کیا یعنی ایک ہفتہ تک مسح نقل کیا گیا ہے۔ اصبت السنۃ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تیسر استدل ان لوگوں کا یہ ہے کہ ایک روایت کے اندر (لفظ) کہتا ہے ولو استاذن فزادنا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ کوئی توقیت خاص نہیں ہے اگر اجازت لی جاتی تو ضرور آپ اجازت دیتے امام طحاوی رح نے جمہور کے مستدلات میں سیکڑوں احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ ان واضح اور تابندہ رایابندہ دلائل احادیث کے سامنے تمہارے مستدلات یعنی ابی بن عمارہ رض کی حدیث ٹمٹماتا ہوا چراغ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور کس کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ان احادیث کو چھوڑ کر ابی بن عمارہ رض کی حدیث پر عمل کرے مستدل ثانی کا جواب امام طحاوی رح نے دیا کہ حضرت عمر رض کا یہ فرمانا کہ اصبت السنۃ ممکن ہے کہ اس سے خلفاء راشدین کی سنت یعنی خود حضرت عمر رض کی سنت مراد ہو اور انھوں نے اپنی رائے کو سنت سے تعبیر فرمایا ہو اور تیسرے مستدل کا جواب یہ ہے کہ یہ خود راوی کا ظن ہے وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔ جواب ۲ یہ ہے کہ یہ حدیث تو ہمارے مذہب کیلئے ہے اس لئے کہ نہ راوی نے طلب زیادتی کی اور نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے زیادتی فرمائی ہے معلوم ہوا کہ اس کے اندر وہی مقدار متعین ہے جس کو ہم کہہ رہے ہیں جواب ۳ مسح کی روایات جو دوسرے حضرات نے نقل فرمائی ہیں انھوں نے تو یہ ظن نہیں فرمایا جو یہاں حضرت خزیمہ رض نے فرمایا ہے ۴ اس روایت کے مخالف بہت سی روایات ہیں تو روایات کثیرہ کے مقابلہ میں یہ معتبر ہے اس کے بعد مصنف رح نے حضرت عمر والی حدیث کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ حضرت عمر رض سے جس طرح اصبت السنۃ مروی ہے ایسے ہی حضرت عمر رض سے اس کے خلاف بھی مروی ہیں کہ آپ نے مسح کو موقت فرمایا ہے جیسا کہ ہم موقت کرتے ہیں اور تیسرا جواب حضرت عمر رض والی حدیث کا یہ ہے کہ آپ نے جو حضرت عقبہ رض سے یہ فرمایا تھا اصبت السنۃ یہ اسی وجہ سے کہ حضرت عقبہ رض ایسے راستے سے شام کی طرف سے آتے تھے جس راستے میں کسی جگہ بھی پانی نہیں تھا تو ان کا حکم تیمم کا تھا تو حضرت عمر رض نے فرمایا کہ اس صورت میں جبکہ تم پر تیمم کی صورت ہو موزے کب تک نکالو گے تو انھوں نے فرمایا کہ ایک ہفتہ سے پہن رکھا ہے اور آج جمعہ ہے آج نکالوں گا۔ فافہم واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ ذِکرِ الجُنُبِ وَالحَائِضِ الَّذِی لَیسَ عَلَی الوُضُوءِ

اس باب کے اندر مصنف رح نے تین جماعتوں کے مذہب کو ذکر فرمایا ہے ۱ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ذکر خواہ سلام کے ذریعہ ہو ایسی طہارت کے ساتھ دینا ضروری ہے جس سے نماز پڑھی جا سکے یعنی اس شخص کے لئے وضو کرنا ضروری ہے اور یہ لوگ مہاجر ابن منقذ رض کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انھوں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے وضو سے فارغ ہو کر جواب دیا اس سے معلوم ہوا کہ

وضو ضروری ہے، عـ۲ دوسری جماعت کو مصنفؒ نے وخالفهم فی ذلك آخرون سے بیان کیا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک سلام کیلئے نہیں ہے وضوء۔ بلکہ اگر تیمم کرکے جواب سلام دیا جائے تو کافی ہو جائیگا۔ اور سلام کے علاوہ ہر گز اللہ تعالیٰ کیلئے وضو ضروری ہے۔ اور ان لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا جس کے اندر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گلی سے نکل رہے تھے تو آپؐ کو کسی نے سلام کیا تو آپؐ نے تیمم فرما کر جواب دیا اور اس مسئلے کو وہ قیاس کرتے ہیں اس مسئلے پر نماز جنازہ اور عیدین کی نماز کی صورت میں پڑھنی اس کو جائز ہوتی ہے جبکہ ان کے فوت ہونے کا خوف ہو بس ایسے ہی یہاں پر سلام کے جواب کے فوت ہو جانے کا خوف ہے تو اس علت خوف فوت ہونے کی بنا پر بھی تیمم کافی ہے، عـ۳ ان کو مصنفؒ نے وخالفهم فی ذلك آخرونؒ سے ذکر فرمایا ہے ان کے نزدیک حالت حدث وجنابت ہر حال کے اندر ذکر اللہ جائز ہے سوائے قرآن کے کہ حالت جنابت وحیض کے اندر جائز نہیں ہے اور پھر ان لوگوں نے احادیث سے ہی ثابت فرمایا ہے فاردنا ان ننظر نا ای هذه الآثار تاخرا۔ یہاں سے فرماتے ہیں کہ جبکہ احادیث تینوں قسم کی وارد ہوئیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے مسلک پر استدلال کر دیا تو اب ضروری ہے کہ اب یہ دیکھا جائے ان انواع ثلثہ میں کون سی نوع متاخر ہے تاکہ ہم اس کو ناسخ بنائیں غور و فکر کرنے سے ابن الفقراء کا قول ہم کو مل گیا کہ ابتداء اسلام میں ہر کلام وسلام اور ہر ذکر کیلئے وضو ر کی جاتی تھی اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یا ایها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم وایدیکم الی آخرہٖ اس آیت کریمہ نے یہ بتلایا کہ طہارۃ کی ضرورت صرف قیام الی الصلوٰۃ کے وقت ہے لہٰذا اب وہ تمام احادیث جن سے فریقین اولین نے استدلال کیا ہے منسوخ ہو جائینگی۔ اور ان پر جن احادیث کو امام طحاویؒ نے پیش کیا کہ بہت سے وہ صحابہ کرامؓ جن سے یہ مروی ہے انہوں نے حالت حدث کے اندر قرأت قرآن فرمائی ہے یہ نسخ پر دلیل ہے ان تینوں۔ جماعتوں میں سے اول جماعت کے مصداق ایک طائفہ ہے اہل حدیث میں سے ان میں سے حُمید وغیرہ ہیں اور تیسری جماعت کے اندر جمہور داخل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ حُکمِ بَولِ الغُلَامِ وَالجَارِیَةِ قَبلَ اَن یَاکُلَا الطَّعَام

اسؔ باب کے اندر اتفاق ہے کہ بول صبی ناپاک ہے خواہ اکل طعام والا ہو یا اکل طعام کا نہ ہو لیکن اس کے طریقہ تطہیر میں اختلاف ہے وہ بچہ بچی جس نے غذا کھانی شروع کر دی ہے ان کے بول کو سب کے نزدیک دھویا جائیگا اور جن صبیان نے غذا کھانی شروع نہیں کی بلکہ ابھی دودھ وغیرہ ہی پر گزر بسر کرتے ہیں ان کے بول میں علماء کا اختلاف ہے بچہ کے پیشاب

[illegible] ۔ وایضاً کما ذکر [illegible] ہم طائفۃ من اہل الحدیث منہم حمید وغیرہ۔ ایضاً کہ وانی ہذا ذہب الجمہور وقد نقل النووی وغیرہ الاجماع الخ امانی صـ ۲/۲۰ ، قال ابن رشد فی البدایہ ذہب الجمہور الی انہ یجوز لغیر متوضی ان یقرأ القرآن ویذکر اللہ الخ وصـ ۲/۱ امانی صـ ۲/۲۰ ۔ کہ وقال النووی ہذا لخلاف انما ہو فی کیفیت تطہیر الشیٔ الذی بال علیہ الصبی ولا خلاف فی نجاستہ وقد نقل بعضہم اصحابنا اجماع العلماء علی نجاست بول الصبی ... ثم القاضی عیاض عن الشافعی وغیرہ انہم قالوا بول الصبی طاہر فحکایتہ باطلۃ قطعاً۔ امانی صـ ۲/۲۸ ۔
ـ۵ واختلف العلماء فی کیفیتہ طہارۃ بول الصبی والجاریۃ علی ثلاثۃ مذاہب ۔ امانی صـ ۲/۲

پر نضح اور بچی کے پیشاب کا غسل ہوگا۔ یہ مذہب مشہور اور راجح روایت ہے امام شافعی رح کی ، اور یہی مصداق ہیں خالفہم قوم الی التفریق کے اور یہی امام احمد بن حنبلؒ اور داؤد ظاہری کا مذہب ہے اور یہی ایک روایت غیر مشہور ہے امام ابو حنیفہؒ اور مالکیہؒ سے (۲) امام اوزاعیؒ کے نزدیک دونوں کے بول پر نضح ہوگا یہی ایک روایت غیر مشہور ہے امام مالکؒ اور امام شافعی رحمہم اللہ کی (۳) دونوں کے بول کا غسل ہوگا یہ مذہب راجح ہے اور یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہؒ کا نیز مالکیہ کی مشہور روایت یہی ہے اور یہی لوگ وخالفہم فی ذلک آخرون کے مصداق ہیں اور ان کے استدلال کا جواب ان لوگوں کی طرف سے یہ ہے کہ جتنی روایات کے اندر لفظ نضح آیا ہے سب سے غسل مراد ہے اور جن روایات کے اندر لم یغسلہ آیا ہے اس سے غسل شدید کی نفی آئی ہے وامّا وجہہ من طریق النظر۔ خلاصہ اس نظر کا یہ ہے کہ دونوں کے بول کا حکم اکل طعام کے بعد ایک ہے لہٰذا قبل طعام بھی دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیئے دونوں کے حکم میں کوئی تفریق نہ ہوگی۔

بَابُ الرَّجُلِ لَا يَجِدُ إِلَّا نَبِيْذَ التَّمْرِ

نبیذ تمر کے مسئلہ کو بہت شہرت اور اہمیت دی گئی ہے حالانکہ یہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا مشہور ہے (۱) نبیذ جو مسکر ہے وہ سب کے نزدیک حرام ہے اور اس سے وضوء جائز نہیں ہے۔ بالاتفاق سوائے امام اوزاعیؒ کے ان کے نزدیک نبیذ سے وضوء جائز ہے (۲) نبیذ غیر مسکر کے اندر اگر ان تمرات کا مزہ بھی نہ آیا ہو تو اس سے بالاتفاق وضوء جائز ہے (۳) اور اگر ان کے اندر مزہ ہو جاوے مثلاً حلاوت وغیرہ ہو تو اس کے اندر اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اس سے وضوء جائز نہیں ہے اور اس کی طرف امام صاحبؒ نے رجوع فرمالیا ہے اور یہی میلان ہے امام طحاویؒ کا ایسی صورت میں ائمہ اربعہؒ کا متفقہ فیصلہ یہ ہوگا کہ نبیذ سے وضوء جائز نہیں، ہے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں تیمم اور وضوء دونوں کرے بہر حال امام محمدؒ صرف تیمم کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ امام صاحب اپنے قول اول میں قائل ہیں اب ان لوگوں کی طرف سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث سے آپ نے استدلال فرمایا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ اس رات موجود نہ تھے۔ وان کان من طریق النظر یہاں سے دلیل عقلی بیان فرماتے ہیں کہ نبیذ زبیب سے اور سرکہ سے وضوء ان کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے لہٰذا قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ نبیذ تمر بھی ایسی ہی ہو نیز اگر وجود ماء ہو تو اس وقت جیسے اس سے وضوء جائز نہیں ہے ایسے ہی عدم وجدان ماء کی صورت میں بھی نبیذ سے وضوء نہیں جائز ہے نیز امام صاحبؒ کے نزدیک وضوء بالنبیذ جو جائز ہے وہ حالت سفر کے اندر ہے اور جس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے وہ واقعہ سفر کا نہیں ہے بلکہ وہ حضر کے حکم میں ہے تو جب حضر کے اندر وضوء بالنبیذ جائز ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ پانی موجود ہونے کی صورت میں بھی وضوء نبیذ کے ساتھ جائز ہونی چاہیئے حالانکہ اس کے قائل وہ بھی نہیں تو گویا اس حدیث سے ان کے نزدیک بھی ترک ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے

عہ قید بہ لانہ لا یجوز الوضوء بہ عند وجود الماء (امانی ص۵۹ ج۲) عہ (انما خص نبیذ التمر بالذکر لانہ محل الخلاف الخ ایضاً) ۱ ص۲۰ امانی ص۵۹ ج۲) ۲ قال الامام ابو بکر الجصاصؒ … فیہ ثلث روایات عن ابی حنیفہؒ یتوضأ بہ المشہور ۳ وبہ قال زفرؒ ۲ انہ یتوضأ بہ ویتیمم وہو قول محمدؒ ۳ رجع ابو حنیفہؒ عن الوضوء بہ وقال یتیمم ولا یتوضأ بہ (امانی ص۶۳ ج۲)

بَابُ المَسَحِ علیٰ النَّعلَیْنِ

بعض[1] سلفؒ کے نزدیک جن میں بعض شافعیہؒ بھی داخل ہیں کہ نعلین پر مسح جائز ہے اور ان کا استدلال اوس بن اوسؓ کی روایت سے ہے۔ جمہور کے نزدیک[2] جائز نہیں ہے اور جس حدیث سے ان کا استدلال ہے ان کا جواب اسطرف سے یہ ہے کہ آپ نے جو نعلین پر مسح کیا وہ اس صورت میں جبکہ اس کے نیچے جوربین بھی تھے تو گویا مقصود مسح علی الجوربین تھا اور نعلین ان کے لئے بھی مانع نہیں تھے۔ بہر حال اوس ابن ابی اوسؓ کی حدیث کا محمل یا تو یہ ہے کہ جوربین پر آپ نے مسح فرمایا قدمین پر مسح فرمایا ثانی صورت میں تو منسوخ ہے۔ دوسرے دلائل سے اور اول صورت ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ جوربین کا مسح ہمارے[3] امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اذا کان منعلین او مجلدین اور صاحبینؒ رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ اذا کان ثخینین لہٰذا حدیث سے جواز مسح علی النعلین پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے ظما احتمل حدیث[4] یہاں سے مصنفؒ نظر قائم فرمار ہے ہیں کہ خفین پر مسح اسوقت تک جائز ہے جب تک کہ رجلین اس میں پوشیدہ ہوں اور اگر ذرا سا بھی رجل ظاہر ہو تو مسح نہیں ہو سکتا بس ایسی ہی نعلین ہیں اس میں چونکہ مغیب نہیں ہیں لہٰذا اس پر مسح جائز نہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم ؛۔

بَابُ المُسْتَحَاضَۃِ کَیْفَ تَطْہُرُ لِلصَّلٰوۃِ؟[5]

استحاضہ حیض سے مشتق ہے اور باب استفعال کے اندر لاکر مبالغہ کیلئے لائے ہیں یعنی جس کا حیض بہت ہی مبالغہ سے آئے جیسے کہا جاتا ہے۔ قرّ فی المکان واستقر یعنی خوب اچھی طرح قرار پا گیا ممکن ہے کہ باب استفعال میں تحویل کیلئے لیگئے ہوں جیسے کہا جاتا ہے استحجرت الطین۔ مٹی پتھر بن گئی ایسے ہی حیض کے اندر جب تغیر اور تبدل ہو جاتا ہے تو اس کو استحاضہ کہتے ہیں۔ مستحاضہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خون ہمیشہ جاری رہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہمیشہ حیض کے اندر صیغۂ معروف اور استحاضہ کے اندر صیغۂ مجہول کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیض میں معروف الوقت ہے اور استحاضہ میں مجہول الوقت ہے۔ اور منسوب الی الشیطان ہے۔ اس کی وجہ سے عورت کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ مستحاضہ کا حکم مثل طاہر کے حکم کے ہے عبادات میں اور وطی کے اندر مگر امام احمدؒ کے نزدیک وطی جائز نہیں ہے۔ ایک روایت کی بنا پر اور دوسری روایت ان کی یہ ہے کہ مدت زیادہ گذر گئی تو جائز ہے اور تیسری روایت ان کی مثل جمہور کے ہے اب روایت کے اندر اختلاف ہے کہ مستحاضہ کا کیا حکم ہے۔ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تغسل لکل صلوٰۃ اور بعض روایت کے اندر ہے کہ اقبال حیض اور ادبار حیض پر مدار رکھتا ہے بعض روایت کے اندر ہے کہ ظہر و عصر کیلئے ایک غسل جمع کر کے جمع صوری کے ساتھ نماز پڑھے اور ایسے ہی مغرب و عشار کے اندر اور پھر فجر کیلئے مستقل غسل کرے تو گویا کہ مستحاضہ کیلئے تین غسل ہیں

---

[1] ویشبہ ان یکون ہٰذا مذہب بعض اہل الظاہر۔ ص۴۹ [2] آخرون سے مراد الائمۃ الاربعۃ وفقہاء الامصار واکثر الصحابہؓ والتابعین۔ (ایضاً ص۵۰) [3] ابی قدیماً (امانی ص۵۳ ج۲) [4] وبہ قال الثوری رح ابن المبارک رح شافعی رح احمد رح اسحاق رح (ایضاً) [5] ای النستر بہا الام بعد ایام حیضہا فی استحاضتہا (امانی ص۵۴ ج۲)

روزانہ تو گویا اس قسم کی روایات مختلف مروی ہیں اس وجہ سے ان میں بعض حضرات نے یہ جمع فرمایا ہے کہ توحید غسل وتوضی لکل صلوٰۃ والی احادیث ناسخ ہیں اور تغسل لکل صلوٰتین والی تمام احادیثیں منسوخ ہیں۔ اور دوسرا جمع بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ لکل صلوٰۃ یا لکل صلوٰتین والی احادیث استحباب پر محمول ہیں۔ تیسرا جمع یہ فرمایا کہ روایات مختلف احوال مختلفہ پر مبنی ہیں۔ مثلاً متحیرہ عورت کا حکم ہے کہ تغسل لکل صلوٰۃ اور ممیزہ کا حکم یہ ہے کہ اقبال حیض میں نماز ترک کردے ادبار حیض میں غسل کرکے نماز پڑھے اور پھر غسل نہ کرے اور معتادہ کا حکم یہ ہے کہ زمانہ حیض کے بعد غسل کرکے پڑھے مستحاضہ ائمہ اربعہ کے نزدیک چار قسم پر ہے[1] ممیزہ جس کو یہ معلوم ہو کہ یہ خون حیض کا ہے اور یہ معتادہ ہو (۲) معتادہ غیر ممیزہ (۳) معتادہ ممیزہ (۴) غیر معتادہ غیر ممیزہ معتادہ کہتے ہیں جس کی عادت متعین ہو کہ اتنے ایام تک حیض آتا ہے۔ اب یہ کہ عادت کتنی مرتبہ سے ثابت ہو گی مالکیہؒ اور شافعیہؒ کے نزدیک ایک مرتبہ سے ثابت ہو جاتی ہے یہی امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے۔ حضرت امام صاحبؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تین مرتبہ ثابت ہوتی ہے حنابلہؒ کے یہاں مرتین یا ثلث مراۃ سے ثابت ہو گی اس تفصیل کے بعد اب سنئے کہ حضرت مؤلف صاحب نے مستحاضہ کے حکم میں جو اختلاف بیان کیا ہے وہ تین حضرات کے مذہب کو بیان کئے ہیں۔ اوّل ان لوگوں کا مذہب جو یہ کہتے ہیں کہ ہر نماز کے لئے مستحاضہ پر غسل واجب ہے[1] ان لوگوں کا استدلال ام حبیبہ بنت جحشؓ کی روایت سے ہے اور ان لوگوں کے متعلق حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں قال ابو جعفر فذھب قومؒ اس قوم کے مصداق یہ حضرات ہیں عکرمہؒ سعید ابن مسیبؒ سعید بن جبیرؒ۔ قتادہ مجاہدؒ علی بن عباسؓ اور بعض دیگر صحابہ کرام سے بھی یہی منقول ہے آگے چل کر مصنفؒ نے ان حضرات کے دلائل پیش فرماکر اشارہ فرمادیا وخالفھم فی ذلک آخرون یہ دوسری جماعت کا مذہب ہے ان لوگوں کے نزدیک ہر نماز کیلئے غسل واجب نہیں ہے بلکہ ظہر وعصر کیلئے ایک غسل مغرب وعشاء کیلئے دوسرا غسل اور نماز فجر کیلئے تیسرا غسل کرے تو کل تین غسل ہو جاتے ہیں اور انھوں نے زینب بنت جحشؓ کی حدیث سے استدلال فرمایا اور اول والوں کی حدیث کا جواب یہ دیا کہ وہ منسوخ ہے اور اس جماعت کے اندر یہ لوگ ہیں۔ ابراہیم نخعیؒ اور عبداللہ بن شدادؒ عطاؒ سعیدؒ عکرمہؒ علیؓ وعباسؓ سے مروی ہیں ان لوگوں کے دلائل نقل فرمانے کے بعد حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ وخالفھم فی ذلک آخرون یہ تیسری جماعت ہے ان لوگوں کا مذہب ہے کہ مستحاضہ اپنے ایام عادت کو پورا کرے پھر غسل کرے، بعدہٗ نماز کیلئے وضوء کرے غسل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس کے اندر جماہیر فقہاء وانصار وغیرہ سب داخل ہیں البتہ امام مالکؒ کے نزدیک وضوء اس پر استحباباً ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک ایجاباً ہے اور پھر ان لوگوں کے دلائل پیش فرمائے جس سے یہ ثابت ہے کہ توضی لکل صلوٰۃ واجب ہے مستحب نہیں! اور غسل لکل صلوٰۃ اور لکل صلوٰتین والی روایتیں منسوخ ہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ عنہا سے مروی ہے یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مستحاضہ کو حکم دیا تھا کہ انقطاع حیض کے غسل کے بعد ہر نماز کیلئے وضوء کرے اس سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں صورتیں منسوخ ہیں اور یہ صورت ناسخ ہے کیونکہ اگر اس کو منسوخ مانا جائے

---

[1] از ذہاب القوم: عکرمہؒ، سعید بن المسیب، سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ مجاہدؒ (امانی ص۔ ج ۲) [2] ایضاً ص ج ۲ وص ج ۲)
[3] [illegible] [4] وقال مالکؒ لا وضوا [illegible] ص ج ۲)

اوران دونوں صورتوں میں سے کسی کو ناسخ تو لازم آئے گا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی عنہا نے منسوخ کے ساتھ فتویٰ دیا۔ حالانکہ یہ محال ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ روایات مستحاضہ انواع مختلفہ پر محمول ہیں مثلاً جن احادیث کے اندر غسل لکل صلوتین کا حکم ہے اس کا محل وہ مستحاضہ ہے جو ناسیہ ہو اس پر اس کے ایام حیض مخفی ہوں اور اس کا خون کبھی آتا ہو کبھی منقطع ہو جاتا ہو غرضیکہ اس کے اندر استمرار ہو پس اگر اس کو یہ معلوم ہوا اور اسی کا یقین ہے کہ وہ اتنے میں دو نمازیں پڑھے گی دم منقطع رہے گا تو اس کیلئے آپ نے یہ حکم دیا اور جن احادیث کے اندر غسل لکل صلوٰۃ ہو اس کا محل وہ مستحاضہ ہے جو متحیرہ مستمر الدم ہو کیونکہ اس پر جو وقت بھی آئیگا صلوٰۃ کا تو اس کے اندر یہ احتمال ہے کہ وہ حائضہ ہو یا حیض سے طاہر ہو گئی ہو۔ اور ممکن ہے کہ بطور علاج کے آپ نے یہ حکم فرمایا ہو کہ غسل کی وجہ سے خون کے اندر حریانی کیفیت کم ہوگی اور ٹھنڈک کی وجہ سے خون رک جائیگا۔ بہر حال، جمہور کے نزدیک وضوء لکل صلوٰۃ ہے اور غسل والی روایتیں سب کی سب منسوخ ہیں۔ اب اختلاف جمہور کے اندر یہ ہے کہ ہر نماز کیلئے یا ہر نماز کے وقت کیلئے حنفیہ کے نزدیک تو موقت کل صلوٰۃ ——— واجب ہے، لہٰذا وقت کے اندر اندر ایک وضوء سے نوافل کی طرح دوسرے فرائض بھی پڑھ سکتی ہے، یہی مذہب علامہ شوکانیؒ نے حنابلہؒ کا نقل کیا ہے امام شافعیؒ سفیان ثوریؒ عروہ ابن الزبیر امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ہر نماز کیلئے وضو کرے اور نوافل نماز کے تابع ہیں اور فرائض تابع نہیں ہیں اس کے بعد مصنفؒ نے نظر قائم فرمائی اور نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ غور فکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناقض وضوء خروج عن الصلوٰۃ نہیں بلکہ خروج وقت ناقض وضوء ہے مثلاً اگر کسی عورت نے وضو کی اور نماز کا وقت نکل گیا تو اب حکم یہ ہے کہ وہ دوبارہ وضوء کرکے نماز قضاء کرے معلوم ہوا کہ خروج من الوقت ناقض وضوء ہے۔ اگر عورت فرائض کے اسی وضوء سے نوافل پڑھ لے تو یہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ خروج عن الصلوٰۃ ناقض وضو نہیں ہے وحجۃ اخریٰ اناقد راینا ھم اس نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ مستحاضہ کا وضوء یا تو حدث سے ٹوٹے گا یا غیر حدث سے وہ غیر حدث تو ہمارے نزدیک خروج وقت ہے اور ہمارے مخالف کے نزدیک فراغ عن الصلوٰۃ ہے اب ہم نے غور و فکر کیا کہ کوئی اس کی نظیر ہے کہ جہاں فراغ عن الصلوٰۃ سے وضوء ناقض ہو تو کہیں نہیں ملا۔ بخلاف خروج عن الصلوٰۃ کے اس کی نظیر مسح علی الخفین ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ؛۔

بَابُ حُکْمِ بَولِ مَا یُوکَلُ لَحمہ

اس باب کے اندر مصنفؒ نے حدیث عرنیین کو ذکر فرما کر یہ ثابت فرمایا کہ بول ما یوکل لحمہ پاک ہے اور اس کے بعد استشہاد کے طور پر چند دلائل اور احادیث اس مضمون کی پیش فرمائی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بول ابل کو ان لوگوں کیلئے بطور دوا کے تجویز فرمایا تھا اور یہ بات دوسری احادیث سے معلوم ہو گئی ہے کہ حرام شئی کے اندر شفاء نہیں لہٰذا بول ما یوکل لحمہ حرام نہیں ہے، جو اس مذہب کے قائل ہیں ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ فذھب قوم اس کے اندر

ل امانی ص۱۰۴ ج۲ ؎ قال ابن رشدؒ اتفق العلماء علی نجاسۃ بول ابن آدم در جیعہ ا ؎ امانی ص۱۰۴ ج۲ (

حضرت امام محمدؒ[1] امام زفرؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، شعبیؒ، عطاءؒ، نخعیؒ، زہریؒ، ابن سیرینؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ ہیں اور آگے وخالفهم فی ذلک آخرون[2] اس کے مصداق امام صاحبؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ، ابو ثورؒ، ابن حزمؒ وغیرہ داخل ہیں ان لوگوں کا استدلال دوسری حدیث سے ہے کہ استنزهوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه اول جماعت والوں کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہ ضرورت پر محمول ہے اور الضرورة المحظورات کے تحت آپ نے علاجاً ان کے استعمال کا حکم فرمایا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بغیر ضرورت کے اس کا استعمال جائز ہو لیکن امام[3] ابو حنیفہؒ کے نزدیک حرام شئی کا استعمال دوائً بھی جائز نہیں، الا یہ کہ اُس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ ہو یا کسی ماہر فن ڈاکٹر نے یقین کے ساتھ یہ بتلا دیا ہو کہ یہ حرام چیز اس مرض کیلئے قاطع ہے..... ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دی گئی ہو کہ ان حضرات کیلئے یہ اونٹ کا پیشاب مفید ثابت ہوگا لہٰذا آپ نے حکم فرما دیا..... آگے چل کر امام طحاویؒ نے نظر قائم فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لحوم انسان سب کے نزدیک بالاتفاق پاک ہیں اس کے باوجود اس کا بول ناپاک ہے کیونکہ اس کے ابوال کو اس کے دماء پر قیاس کیا گیا ہے، نہ کہ اس کے لحوم پر، ایسے ہی بول ابل اور تمام ماکول اللحم جانوروں کے ابوال کو ان کے دماء پر قیاس کیا جائے گا نہ کہ ان کے لحوم پر۔

بَابُ صَفَةِ التَّيَمُّمِ كَيفَ هُو؟

تیمم کے معنی لغت میں قصد و نیت کے آتے ہیں چونکہ اس کی حقیقت کے اندر نیت داخل ہے، اس وجہ[5] سے ائمہ اربعہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کے اندر نیت شرط ہے البتہ امام زفرؒ اور امام[6] اوزاعیؒ کے نزدیک نیت ضروری نہیں ہے دوسرا اختلاف عدد ضربات کے اندر[7] ہے امام احمدؒ کے نزدیک ایک ضرب ہے وجہ اور یدین کے لئے امام مالکؒ فی روایۃ مع امام احمدؒ فی روایۃ اخریٰ حضرت امام شافعیؒ و امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین ضرب ہیں ایک ضرب وجہ کیلئے دوسری ضرب یدین کیلئے، ابن مسیب اور ابن سیرینؒ کے نزدیک تین ضرب ہیں ایک ضرب وجہ کیلئے دوسرا ضربۃ کفین کے لئے تیسرا ضربۃ ذراعین کیلئے۔ تیسرا اختلاف محل مسح کے اندر ہے کہ وہ کتنا ہے اور اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کیلئے یہ باب منعقد فرمایا۔ امام زہریؒ[8] کے نزدیک مناکب وآباط تک مسح ہوگا یہی مصداق ہیں مذہب قوم کے اور دوسرے حضرات وخالفهم فی ذلک آخرون[9] کے اندر جمہور ائمہ سب داخل ہیں ان حضرات کے نزدیک مناکب اور آباط تک مسح نہیں ہے بلکہ امام صاحبؒ کے نزدیک مرفقین تک ہے اور ایک روایت امام مالکؒ کی یہ ہے کہ کفین تک فرض ہے۔ اور مرفقین تک سنت ہے اہل ظاہر اور اہل حدیث اور امام احمدؒ کے نزدیک کفین تک ہے امام زہری کے مستدلات مصنفؒ شرح کے اندر ذکر فرمائے ہیں اور وہ سب حضرت عمار کی احادیث ہیں ان کا جواب جمہور نے یہ دیا کہ اس حدیث کے اندر عمار نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا فعل

---

[1] ایضاً ص۱۰۹ ج۲، [2] والجمهور الى القول بنجاسة الابوال ۱۱٪ امانی ص۱۱۱ ج۲، [3] امانی ص۱۱۵ ج۲، [4] حتی لو تعین الحرام مدفعاً ایضاً ص۱۱۵ ج۲ [5] ایضاً ص۱۱۶ ج۲، [6] اوجز ص۱۲۳ ج۱، قال ابن رسلان لوجود معنی القصد فی التیمم اتفق فقہاء الامصار علی وجوب النیۃ فیہ الخ [7] اوجز ص۱۲۳ ج۱ [8] واختلف العلماء فی عدد الضرب باب ... ص۱۱۷ ج۲ امانی [9] فی المشهور عنہ ۱۲ ایضاً ص۱۱۸ [10] ایضاً

ذکر کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل یا قول نقل نہیں کیا ہے تاکہ ہم پر حجت ہو۔ اور ممکن ہے کہ اس وقت آیت تیمم مکمل نازل نہ ہوئی ہو، نیز حضرت عمار رضؓ سے جیسے مسح مناکب اور اباط تک مروی ہے ایسے ہی ان کے خلاف یہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ مسح وجہ اور کفین تک کا ہے، لہٰذا اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوگیا کہ مناکب تک مسح نہیں ہے اب یہ کہ کفین تک ہے یا مرفقین تک اس میں روایت مختلف ہیں، لہٰذا نظر کی طرف رجوع کیا جائے گا، رجعنا الی النظر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وضوء کے اندر چار عضو دھوئے جاتے ہیں اور تیمم کے اندر دو عضو ساقط ہوگئے اور دو حکم کے اندر باقی ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ جب وہ اعضاء جو وضوء کے اندر دھوئے جاتے ہیں ساقط ہوگئے تیمم میں تو جو عضو وضوء کے اندر بھی نہ دھویا جائے وہ بطریق اولیٰ ساقط ہوگئے علاوہ ازیں خلف کا اصل پر زائد ہونا لازم آئے گا۔ اور وہ مناکب و اباط ہیں نیز وضوء کے اندر جو عضو مغسول اور ممسوح ہیں تیمم کے اندر وہ یا تو بالکل ساقط ہوگئے یا ان کا وظیفہ پورا باقی رہا مثلاً راس اور رجلین کا وظیفہ پورا ساقط ہوگیا اور وجہ کا وظیفہ پورا باقی ہے، ایسے ہی یدین کے وظیفے کا یہی حال ہے کہ یا تو پورا وظیفہ مرفقین تک وضوء کی طرح باقی رہے یا بالکل ساقط ہو جائے۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ بعض جزء کا وظیفہ باقی رہے اور بعض کا ساقط ہو جائے، وھذا قول ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ، واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ غسلِ یوم الجُمُعَۃ

مصنفؒ نے اس باب کے اندر شروع میں چند احادیث ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوا کہ غسل یوم الجمعہ واجب ہے اور اس کی تائید میں متعدد احادیث ذکر فرمائی ہیں فذھب قوم الی ھذا اس کے اندر ظاہریہ حسن بصریؒ[1] ابو ہریرہؓ حضرت عمرؓ امام احمدؒ کی ایک روایت کی بنا پر اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ بھی ایک روایت کے اعتبار سے داخل ہیں وخالفھم فی ذٰلک اس کے اندر احنافؒ[2] ہیں۔ اور مذکورہ بالا روایات کا یہ جواب دیا کہ کان ثم نسخ جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت[3] سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ فرماتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں لوگ خود عمل کرتے تھے اور موٹے موٹے کپڑے پہنتے تھے، مسجد نبوی نہایت ہی تنگ تھی تو لوگ جمعہ پڑھنے کیلئے آتے تھے۔ تو گرمی کی وجہ سے سخت پسینہ آتا تھا۔ اور اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ آپ نے یہ دیکھ کر لوگوں کو غسل کا حکم دیا مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے وسعت فرمائی لوگوں نے خود کام کرنے چھوڑ دیئے۔ مسجد نبوی کے اندر وسعت ہوگئی تمدن بڑھا اور موٹے موٹے کپڑے استعمال کرنے چھوڑ دیئے، تو پھر یہ حکم بھی اپنی علت کے مفقود ہونے کی وجہ سے ختم ہوگیا

---

[1] امانی ج۱ ص۲۷، ان اسماء کے علاوہ ابن حزم، ابن عباسؓ، سفیان ثوریؒ اور متعدد اسماء مذکور ہیں ۱۲ [2] امانی ج۱ ص۲۷، والمشہور من مذہب مالکؒ و شافعیؒ واحمد وحکاہ عیاض عن عامۃ الفقہاء وائمۃ الامصار ونقل ابن عبدالبر فیہ اجماعا ۱۲ الخ [3] مشکوٰۃ

بَابُ الاستجمار

اس باب کے اندر مصنف نے چند روایات کا ذکر فرما کر یہ مذہب ثابت فرمایا کہ استنجاء بالاحجار کے اندر تین عدد واجب اور تین احجار سے کم میں جائز نہیں ہے، یہ مذہب امام شافعیؒ اور امام محمدؒ اور اسحاق ابن راہویہؒ کا ہے اور یہی لوگ مصداق فذہب قوم کے ہیں۔ رخالفھم فی ذلک آخرون الخ اس کے اندر امام مالکؒ اور جمہور امت داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک مقصود انقاء ہے خواہ وہ ایک ذریعہ حاصل ہو جائے یا دو کے ذریعے اور چونکہ وہ عام طور سے تین سے حاصل ہوتا ہے اس لئے اکثر احادیث کے اندر ثلاثہ کی قید لگا دی گئی ہے تو گویا کہ یہ استحباب اور تحسین کا درجہ ہے وجوب کا درجہ نہیں ہے جیسا کہ متعدد احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں واما من طریق النظر یہاں سے دلیل عقلی پیش فرماتے ہیں خلاصہ اس نظر کا یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ غایت اور بول کے اندر اگر ایک مرتبہ دھونے سے اس کے اثرات یعنی لون وریح وطعم وغیرہ ختم ہو جائیں تو یہ کافی ہے اور اگر دو مرتبہ سے حاصل ہو تو دو مرتبہ ضروری ہے غرضیکہ تین مرتبہ سے بھی حاصل ہو تو وہ بھی ضروری ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کسی خاص عدد کی تعیین (بمطابق دو کی) نہیں ہے بلکہ تین مرتبہ سے بھی نجاست کا اثر ختم ہو جائے وہی کافی ہے ایسے ہی استجمار بالحجارہ کے اندر بھی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الاستجمار بالعظام

امام شافعیؒ امام محمدؒ اسحاق ابن راہویہؒ کے نزدیک اگر کوئی عظم (ہڈی) سے استنجاء کرے تو وہ کافی نہیں ہوگا۔ یہی ایک روایت امام مالکؒ کی ہے ان لوگوں کا استدلال ان روایات سے ہے جس کو امام طحاویؒ نے شروع باب کے اندر ذکر فرمایا ہے یہی لوگ فذہب قوم کے مصداق ہیں اس کے برخلاف احناف کے نزدیک اس سے استنجاء جائز ہے مگر مکروہ تحریمی ہے لہٰذا اگر اس سے استنجاء کرے تو طہارۃ حاصل ہو جائیگی کیونکہ ان کی ذات کے اندر کوئی ایسا مانع موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے طہارۃ حاصل نہ ہو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن احادیث میں النھی ثابت ہے وہ اس وجہ سے۔ انہ زاد لکم د الکم من الجن اور یہی لوگ وخالفھم فی ذلک کے مصداق ہیں اس کے علاوہ حضرات صاحبین رح کا بھی مذہب یہی ہے۔

سه ای فی بیان حکم الاستجمار۔ وتو سع فی البول والغائط بالحجارۃ الاحجار الصغیرۃ الخ امانی ص۱۵۹ ج۲ ۱۲، و اوجز ص۲ ج۱ ۱۲، سه امانی ص۱۶۳ ج۱ ۱۲، وبہ قال الجمہور واصحاب الحدیث کمانی الفتح واختارہ ابن حزم ۱۲ الخ سه ذہب الی ذلک ابو حنیفۃ و مالک، داؤد الظاہری سه فی روایۃ ابی سعید (الجوہر) سه اوجز ص۲ ج۱ ۱۲) سه ای باب حکم الاستجمار بالعظام ۱۲، امانی ص۱۶۱ ج۲ سه وبہ قال الثوری وہو روایۃ عن مالک ۱۲ امانی ص۱۶۵ ج۲، سه اور بعض نسخوں میں متن کی عبارت "لا یجوز الاستنجاء" ہے سه وہو روایۃ عن المالکیۃ وبہ قال بعض اصحاب الشافعی ۱۲ ایضاً، بذل ص۲ ج۱، سه والظاہر انہا کراہتہ تحریم الخ امانی ص۱۶۹ ج۲

باب الجنب يريد النوم والاكل والشرب

اس باب کے اندر چار اشیاء کا ذکر ہے۔ نوم، اکل، شرب، جماع آیا ان میں سے کسی کام کے کرنے کیلئے وضوء ضروری ہے یا نہیں؟ ظاہریہ ابن حبیب مالکی رح کے نزدیک اور مالکیہ کی ایک روایت ہے کہ وضوء ان میں سے ہر فعل کیلئے ضروری ہے بلکہ واجب ہے، امام ابو یوسف رح سعید بن مسیب سفیان ثوری رح حسن ابن حی ان لوگوں کے نزدیک وضوء کرنے سے کوئی فائدہ نہیں استحباب کا درجہ ہے نا کہ ایجاب کا درجہ جمہور کے نزدیک وضوء کرنا ان تمام افعال کیلئے مستحب ہے البتہ نوم کیلئے وضوء کرنا بہ نسبت اکل و شرب سے زیادہ اکد ہے جب یہ تین مذہب ہوگئے ہیں تو ان میں سے مصنف نے ترتیب وار سب سے قبل متعلق اختلاف نقل کیا ہے بعدہ اکل و شرب کے متعلق اور پھر آخیر باب کے اندر عود الی الجماع کے اندر گفتگو فرمائی ہے چنانچہ اول باب کے اندر احادیث ذکر فرمائی ہیں جن کے اندر وارد ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی کو نہیں چھوتے تھے قبل ان یمس ماءً سو جاتے تھے بعدہ فرماتے ہیں فذھب قوم الی ھذا اس کے مصداق ماقبل کے اندر ذکر ہو چکے ہیں کہ امام ابو یوسف سفیان ثوری وغیرہ ہیں ان لوگوں نے ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ وضوء نہ مستحب کا درجہ رکھتا ہے نہ وجوب کا درجہ رکھتا ہے وخالفھم فی ذلک آخرون۔ اسی کے اندر وہ تمام داخل ہیں جو وضوء کے قائل ہیں خواہ استحباباً کما ذھب الیہ الجمہور۔ خواہ ایجاباً کما ذھب الیہ الظاھریہ۔ ان لوگوں نے چند دلائل پیش فرمائے جن میں قبل النوم وضوء کا حکم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بیان کی گئی ہے کہ آپ وضوء فرما کر سوتے تھے اس سے ظاہر ہو گئے جواب یہ دیا کہ وہاں قبل ان یمس ماءً کے اندر ماء سے ماء غسل مراد ہے اس کی نفی کرنی مقصود ہے کہ غسل نہیں کرتے تھے، نوم سے قبل اب رہ گیا وضوء وہ آپ ضرور بالضرور کرتے تھے جیسا کہ دوسری احادیث قویہ لعلیہ اس پر دلالت کرتی ہیں اس کے بعد مصنف نے اکل و شرب کے متعلق گفتگو فرمائی، قد ذکرنا حدیث الحکم سے اس کو بیان فرمایا اور اس کے اندر بھی ظاہریہ اور ابن حبیب مالکی اور جمہور کے درمیان اختلاف تھا اس سے قبل فذھب قوم الی ھذا سے مراد ظاہریہ وغیرہ ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون۔ اس کے اندر جمہور سب داخل ہیں اس میں ان حضرات کے نزدیک وضوء شرعی واجب نہیں بلکہ وضوء سے وضوء لغوی مراد ہے ہاتھ منھ وغیرہ دھونا پھر امام طحاوی نے ان کے مستدلات کو بیان فرمایا اور اس جماعت کے اندر جو ایجاب کا ذکر ہے انکار کر رہی ہے امام ابو یوسف بھی داخل ہیں باقی جمہور کے نزدیک اگر وضوء کرے تو مستحب ہے وقد روی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہاں سے تیسری جماعت عود الی الجماع قبل الوضوء کو بیان فرماتے ہیں اس کے اندر بھی تین مذہب ہیں ایک ایجابی ہے اور ایک استحبابی ہے جو لوگ وجوب کے قائل ہیں ان کا

لہ امانی ص ١٧٩ ج ٢، اوجز ص ١٠٩ ج ١، وابن حبیب من المالکیہ لوجوبہ، امانی ص ١٨١ ج ٢، سہ عبارت ایسے طریقہ سے شروع ہے کہ یہ اندازہ مشکل ہے کہ ربط ماقبل سے ہے یا یہ علیحدہ ہے ١٢ سہ اوجز ص ١٠٩ ج ١، امانی ص ١٨١ ج ٢، ھہ الی لا باس الا صلہ ١٩ ج ٢ قال الاستاذ فی الاوجز ص ١٠٩ ج ١ بل کلام بعضہم یشیر الی عدم الاستحباب فی الاکل الخ ١٢ کہ امانی ص ١٩١ ج ٢، غسل یدیہ الخ ھہ اوجز ص ١٠٩ ج ١

مستدل پہلی روایت سے ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عود الی الجماع کرے تو وضو کرے۔ لیکن جمہور کے نزدیک چونکہ مستحب ہے اس لئے انہوں نے جواب دیا کہ یہ امر اس وقت کا ہے جبکہ کلام کے لئے بھی ضرورت پڑتی تھی چونکہ جماع سے قبل تسمیہ کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے وضو کا حکم بعدہٗ یہ حکم مرتفع ہو گیا اور دوسری احادیث اس کے لئے ناسخ ہیں جن کو حضرت امام طحاوی نے بعد میں ذکر کیا۔ اس کے بعد مصنف رح نے کتاب الصلوٰۃ کو شروع فرمایا ہے..... واللہ اعلم ؛

بَابُ الاذان کیف ھو؟

[1] اس باب کے اندر اذان کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہے کہ اذان کے کتنے کلمات ہیں ؟ کلمات اذان حنیفہ رح کے نزدیک پندرہ ہیں، یہی حنابلہ رح کا مذہب ہے امام مالک رح کے نزدیک سترہ کلمات ہیں امام شافعی رح کے نزدیک انیس کلمات ہیں کیونکہ ان کے نزدیک چار کلمات ترجیع کے ہیں اور امام مالک رح کے نزدیک دو کلمات کم ہیں وہ ترجیع کے قائل ہیں لیکن شروع کے اندر وہ تکبیر کو صرف دو مرتبہ مانتے ہیں اب اس باب کے اندر مصنف رح کا مقصود ایک تو ترجیع کے اختلاف کو بیان کرنا ہے اور ایک یہ کہ شروع اذان کے اندر کلمات تکبیر کتنے ہیں ؟ مصنف رح نے شروع باب کے اندر ابو محذورہ رض کی حدیث ذکر فرمائی ہے اس [illegible] مرتبہ تکبیر کا ذکر ہے اور کلمات ترجیع بھی موجود ہیں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ فذھب قوم الی ھذا الخ یعنی ایک [illegible] نزدیک اذان اس طرح کہنی چاہیے اور اس کے مصداق محمد بن سیرین رح حسن بصری رح امام مالک رح اور اہل مدینہ ہیں۔ وخالفھم فی ذلک آخرون [illegible] ان مخالفت چار مواضع کے اندر ہے اول یہ کہ کلمات تکبیر چار ہیں دو نہیں ان مخالفین کے اندر ائمہ ثلاثہ رح اور جماہیر امت ہیں اور ان کا استدلال متعدد احادیث سے ہے خود حضرت ابو محذورہ رض کی روایت کے اندر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خود جو ان کو اذان سکھلائی ان کے اندر کلمات تکبیر چار ہیں۔ نیز نظر کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کلمات تکبیر چار ہوں۔ کیونکہ کلمات اذان دو قسم کے ہیں بعض وہ ہیں جو اس کے اندر مکرر نہیں۔ مثلاً صلوٰۃ فلاح اور بعض کلمات اذان میں مکرر ہیں۔ مثلاً کلمات تکبیر شروع کے اندر بھی ہے اور آخیر کے اندر بھی ایسے ہی شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ شروع کے اندر بھی آخر میں بھی ہے اب ہم نے غور کیا تو دیکھا کہ لا الٰہ الا اللہ جتنی مرتبہ شروع میں ہے اس سے آدھی مقدار ہے۔ یعنی شروع کے اندر دو مرتبہ ہے ایسے ہی آخیر کے اندر ایک مرتبہ ہے پس کلمات تکبیر بھی ایسے ہی ہیں جتنی مرتبہ شروع میں اس کے اخیر میں اس سے آدھی مرتبہ ہوں گی آخر کے اندر دو مرتبہ تو شروع کے اندر چار مرتبہ ہوگا دوسرا موضع جس کے اندر مخالفت ہے وہ کلمات ترجیع ہیں اس میں امام شافعی رح امام مالک رح کے ساتھ ہیں اور بقیہ دو اماموں کے نزدیک کلمات ترجیع نہیں ہیں اول دونوں اماموں کا استدلال

[1] امانی ص ۲۰۲ ج ۲ [2] ایضاً [3] ذہب الی ذلک الائمۃ الثلاثۃ ثم ۱/۲ ص ۲۰۲ ج ۲، [4] امانی ص ۲۰۴ ج ۲،

اول باب کی حدیث حضرت محذورہؓ سے ہے اور احنافؒ وحنابلہؒ کے نزدیک ملک نزل من السماء کی اذان کی روایت سے ہے۔ نیز حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر میں رہنے والے تھے ان سے بھی کبھی ترجیع ثابت نہیں ہے اور ابو محذورہؓ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے کلمات شہادت کو آہستہ کہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلند آواز سے کہو دوبارہ فقالہ تعلیماً وعندہ ترجیعاً حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ ترجیع نہیں ہے۔ فلما احتمل ذلک واجب النظر اس نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک حقیقۃً صرف کلمات شہادۃ کے ترجیع نہیں ہے تو قیاس ونظر کا تقاضہ یہ ہے کہ بعینہٖ کلمات کی طرح شہادت کے اندر بھی ترجیع نہیں ہے ٭

بَابُ الْاِقَامَۃِ کَیْفَ ھِیَ؟

اذان اور اقامت کے اندر مناسبت ظاہر ہے کہ اول اعلام مخصوص للغائبین اور دوم اعلام مخصوص للحاضرین ہے اور کلمات اذان کی طرح کلمات تکبیر واقامت میں بھی اختلاف[1] ہے امام مالکؒ کے نزدیک دس کلمات ہیں اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک گیارہ کلمات ہیں اور ائمۂ احنافؒ کے نزدیک سترہ[2] کلمات ہیں حنفیہؒ کے یہاں کلمات اقامت سب مثنیٰ مثنیٰ ہیں اور ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک فرداً فرداً ہے البتہ قد قامت الصلوٰۃ کے اندر امام مالکؒ افراد کے قائل ہیں اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ دو مرتبہ ہے اس اختلاف کو بیان کرنے کیلئے حضرت امام طحاویؒ نے باب منعقد فرمایا ہے شروع باب کے اندر چند روایات ذکر فرمائیں جن کے اندر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ کو حکم دیا کہ ان یشفع الاذان ویوتر الاقامت کلمات اذان کو دو مرتبہ کہیں اور کلمات تکبیر ایک مرتبہ یہی ائمۂ ثلاثہ کا استدلال ہے البتہ بعض روایات کے اندر قد قامت الصلوٰۃ کا استثنیٰ آتا ہے جو امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مستدل ہے اور مالکیہؒ نے اس استثناء کو مدرج قرار دیا ہے حنفیہؒ کے نزدیک چونکہ کلمات اقامت مثل کلمات اذان کے ہیں اور قد قامت الصلوٰۃ حرف زائد ہے اور ہمارا مستدل نزل من السماء کی اقامت ہے کہ اس کے اندر کلمات اذان مثنیٰ مثنیٰ ہیں ائمۂ ثلاثہ نے ایک نظر قائم فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اقامت کو اذان کے تابع قرار دیا، کسی نے واحد قرار دیا اور قاعدہ بیان فرمایا کہ جو کلمات ابتدائی اذان کے اندر مکرر ہیں وہ سب اقامت کے اندر ایک مرتبہ ہوں گے ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ آپ کا اقامت کو اذان کے تابع قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ ایک الگ مستقل وظیفہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر ابتدائی کلمات مکرر ہیں تو انتہائی کلمات اس کے آدھے ہوتے ہیں یہ ایک سلسلے کے اندر ہے اور اقامت اور

---

[1] امانی ص۲۰۹ ج۱، [2] قال الحاصل ان الاقامۃ عند مالکؒ فی المشہور عنہ عشر کلمات وعند الشافعیؒ واحمدؒ احدی عشر کلمۃ ۱۲ عینی ج۲ ص۲ وبہ قال الثوریؒ وابن المبارکؒ واہل الکوفۃ ص۲۲۴ ج۲، [3] ایضاً۔ عـہ بحر ص ۲۷۵ ج۱

اذان ایک سلسلے کے اندر ہیں بلکہ دونوں الگ ہیں، ہماری جانب سے بعض لوگوں نے جواب یہ دیا کہ تمہارے اس قاعدہ کی بناء پر تو یہ لازم آتا ہے کہ اذان کے اندر جو آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے وہ اقامت کے اندر آدھا ہونا چاہیئے۔ حالانکہ ہم بھی قائل نہیں ہیں اس کا جواب ان لوگوں نے دیا کہ وہ کلمہ تو تنصیف کو قبول نہیں کرتا اس وجہ سے اس کو علیٰ حالہٖ باقی رکھا گیا لیکن ہم اس پر دوسرا اشکال کر سکتے ہیں کہ اذان کے اندر اخیر میں ایک مرتبہ ہونی چاہیئے۔ حالانکہ آپ کے نزدیک بھی دو مرتبہ ہے لہذا جیسے آخری تکبیرات آپ کے یہاں اذان واقامت کے اندر برابر ہیں تو نظر کا تقاضہ یہ ہے کہ بقیہ کلمات اذان بھی اقامت کے اندر اسی طرح ہوں پھر آگے چل کر مصنف رح نے چند آثار سے دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین رح کے اس عمل کو نقل کیا کہ انھوں نے اقامت مثنٰی مثنٰی کہی ہے ۔

بَابُ قَولِ المؤذنِ فی اَذَانِ الصُّبحِ

اس مسئلے کے اندر اختلاف کیا ہے کہ اذان صبح کے وقت الصّلوٰۃ خیرٌ مِّنَ النَّوم کہنا کیسا ہے؟ فذھب قوم الی ھذا ۔ اس قوم کے مصداق عطاء رض، طاؤس رض، اسود بن یزید رض ان لوگوں کے نزدیک مکروہ ہے یہی امام شافعی رح کا قول جدید ہے۔ وخالفھم فی ذلک آخرون ۔ اس کے اندر جمہور ائمہ ثلاثہ داخل ہیں اور یہی امام شافعی رح کا قول قدیم ہے۔ اور ان اصحاب نے اس کو مفتی بہ قرار دیا ہے کہ یہ کہنا سنّت ہے اول جماعت کا استدلال حضرت عبداللہ بن یزید رض کی حدیث سے ہے کہ ان کی اذان میں یہ جملہ نہیں تھا جمہور کا استدلال دوسری حدیث سے ہے اور ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن یزید رض کی روایت میں الصّلوٰۃ خیرٌ من النوم نہیں ہے لیکن ان کی اذان کو جس ذات نے شرعیت کا شرف بخشا ہے اس نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اس کو اذان کے اندر داخل کرو ۔

بَابُ التاذین لِلفجرِ اَیِّ وقتٍ ھو؟

اس مسئلہ کے اندر اتفاق ہے کہ فجر کے علاوہ دوسری نمازوں کے لئے اذان قبل الوقت جائز نہیں ہے لیکن فجر کے اندر اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ یعنی اوزاعی رح اسحاق بن راہویہ رح اور امام ابویوسف رح کا قول جدید ہے کہ قبل الوقت جائز ہے یہی لوگ مصداق ہیں فذھب قوم الی ھذا لیکن ایک روایت امام احمد رح کی ہے دوسری روایت

---

۱ امانی ص۲۳۶ ج۲، ۲ وکرہ عندہ فی الجدید ۱۲ ۳ ایضاً ۴ ہذا ہو مذہب الجمہور الخ ص۲۳۶ ج۲ ۵ ومن ص۲۳۰ ج۲، ۶ ایضاً ص۲۳۱ ج۲،
۷ ایضاً ص۲۳۰ ج۲، وبہ قال ابن المبارک رح والطبری رح وداؤد رح ۱۲ ۸ امانی ص۲۳۱ ج۲، کما فی المغنی ص۲۵۰ ج۱ یعنی اذان فجر میں ۱۲

یہ ہے کہ رمضان کے اندر جائز ہے اس کے علاوہ میں جائز نہیں وخالفھم فی ذلک آخرون. ان لوگوں کے نزدیک اذان قبل الوقت مکروہ ہے اور بعد الوقت اعادہ ضروری ہے، یہ مذہب حسن بصریؒ سفیان ثوریؒ نخعیؒ علقمہ امام اعظم اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے اور یہی ظاہریہ کا مذہب اول جماعت کا استدلال ان روایات سے ہے جس کے اندر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو مؤذن تھے ایک حضرت بلال رضؓ جو قبل الوقت اذان دیتے تھے اور حضرت ابن ام مکتوم رضؓ بعد الوقت اذان دیتے تھے جمہور کا استدلال مختلف روایات سے ہے بعض روایات کے اندر آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتیں اس وقت پڑھا کرتے تھے جب مؤذن اذان دیدے اور مؤذن اذان نہیں دیتا حتی الصبح اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے یہاں بھی اذان ہوتی تھی اور یہی معتبر ہوتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضؓ نے قبل طلوع الفجر اذان غلطی سے دیدی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اعلان کریں الا ان اللہ قد الخ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبل الوقت اذان معتبر نہیں ہے نیز جن روایات کے اندر حضرت بلال رضؓ کا اذان دینا قبل الوقت اور حضرت ابن ام مکتوم کا بعد الوقت آیا ہے وہاں حضرت بلال رضؓ کی اذان نماز کے لئے نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ ایک غرض کے تحت ہوتی تھی کہ جو لوگ سو رہے ہوں وہ بیدار ہو جائیں اور جو لوگ تہجد کے اندر مشغول ہوں وہ فارغ ہو جائیں اور ممکن ہے کہ حضرت بلال رضؓ چونکہ ضعیف البصر تھے اذان یہ سمجھکر دیتے ہوں کہ وقت ہو گیا حالانکہ وقت نہیں ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے تمام صلوٰۃ کے لئے اذان قبل الوقت نہیں ہے ایسے ہی نظر کا تقاضہ یہ ہے کہ فجر کا بھی وہی حکم ہو کہ اس کی اذان بھی بعد الوقت ہو، واللہ اعلم :

باب الرجلين يؤذن احدهما ويقيم الآخر

اس مسئلے کے اندر اختلاف یہ ہے کہ جو شخص اذان کہے وہی اقامت بھی کہے یا دوسرا بھی اقامت کہنے کا مستحق ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دوسرے کیلئے جائز ہے لیکن اولیت و کراہیت کے اندر اختلاف ہے۔ حضور علیہ السلام کا قول مبارک من اذن فھو یقیم کے تحت امام شافعیؒ سفیان ثوریؒ لیث بن سعد رحمہم اللہ کے نزدیک غیر مؤذن کو اقامت کہنا مکروہ ہے، بلکہ من اذن فھو یقیم یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں اس کے برخلاف امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اکثر اہل حجاز کے نزدیک دوسرے شخص کو بھی اقامت کہنے کا حق ہے اور بلا کراہتہ جائز ہے یہی لوگ مصداق ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اور ان لوگوں کا استدلال عبد اللہ بن زید رضؓ کی حدیث سے ہے کہ انھوں نے خواب جب دیکھا اذان کے متعلق تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان حضرت بلال رضؓ سے کہلوائی اور اقامت حضرت عبد اللہ سے اور اس قسم کی بہت سی روایات ہیں تو یہ

لہ امانی ج۲ ص۲۲ وبہ قال زفرؒ ... لہ امانی ج۲ ص۲۲ سہ ایضاً ج۲ ص۲۲ کہ والحسن البصریؒ والثوریؒ ..... والیہ ذہبت الظاہریہ الخ امانی ج۲ ص۲۲

احادیث اول سے متعارض ہوگئیں ہیں جب دو حدیثیں متعارض ہوگئیں تو قیاس اور نظر کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم ۔:۔

باب ما یستحب للرجل ان یقولہ اذا سمع الاذان

اول اختلاف اس بات کے اندر ہے کہ اذان کا جواب دینا کیا حکم رکھتا ہے؟ ہمارے ائمہ ثلاث احناف[1] کے نزدیک واجب ہے اور یہی ظاہریہ سے منقول ہے جمہور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستحب ہے جمہور فقہاء کا یہی[2] مذہب ہے یہی امام طحاوی کے نزدیک مختار ہے، لیکن متون کے اندر حنفیہ کا مذہب وجوب کسی نے نقل نہیں کیا اس بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ جمہور کے ساتھ ہیں چنانچہ ابن قدامہ نے مغنی کے اندر لکھا ہے کہ اعلم خلافا بین اہل العلم فی استحباب ذلک الی آخرہ۔ دوسرا[3] اختلاف اس بات کے اندر ہے کہ اذان کا جواب کیسے دے اس اختلاف کو بیان کرنے کے لئے یہ باب منعقد فرمایا ہے ابراہیم نخعی اور ظاہریہ کے نزدیک مثل مایقول المؤذن جواب دیگا یہی ایک روایت امام شافعی اور حضرت امام احمد سے نقل کی گئی ہے لیکن امام شافعی کی یہ مشہور روایت نہیں ہے یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں اور خالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر امام اعظم اور امام شافعی رح مشہور قول کے اعتبار سے بلکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک یہی ہے اور جمہور وغیرہ سب اسی کے اندر داخل ہیں کہ اذان کا جواب مثل مایقول مؤذن نہیں ہوگا بلکہ حیعلتین کے اندر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہئے کیونکہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں یہی کلمات دوبارہ کہے گئے، تو ایک قسم کا سخر ہو جائیگا کیونکہ مؤذن کا مقصود ان کلمات میں لوگوں کو بلانا ہے۔ اور تم جواب میں جو کہوگے یہ بے فائدہ ہے کیوں کہ ہمارا جواب بطور ذکر کے ہوتا ہے ولیس ھذا من الذکر بعدہ[4] مصنف رح نے چند احادیث ذکر فرمائی ہیں جو لوگوں[5] کا مستدل ہے ۔:۔

باب مواقیت الصلوٰۃ

اس باب کے اندر مصنف نے اوقات صلوٰۃ کو بیان کیا ہے پہلے چند احادیث بیان فرمائی ہیں اس کے بعد ظہر فجر کا وقت ان سے ثابت فرمایا ہے اور پھر عصر کا وقت بیان فرمایا ہے اس وقت کے متعلق احادیث میں جو تعارض تھا اس کو دفع فرمایا۔ اور پھر نظر سے اس کو مؤکد کیا ہے اور اس کے بعد مغرب اور اس کے اندر اختلاف کو بیان فرماکر باب کو ختم فرمایا یہ تو اس کا اجمالی نقشہ ہے اب کچھ تفصیل سے خلاصۃ الباب سنیئے۔ مصنف نے چند احادیث کو ذکر

---

[1] طحاوی ص۸۶ ج۱۲ پر موصوف نے بعض سلف سے وجوب نقل کیا ہے چنانچہ صاحب المحیط من الحنفیہ اور ابن وہب مالکی سے بھی یہی منقول ہے اور عثمان کے ائمہ ثلاث سے بھی نقل کیا ہے ص۲۳۲ ج۱۲ [2] امانی مگر بعض احناف نے یہ توجیہ کی ہے کہ یہ وجوب ہے اجابت بالاقدام کذا فی الدر المختار بذل ص۲۹۹ ج۱۲ [3] امانی ص۲۶۳ ج۲ [4] بذل ص۲۹۹ ج۱۲ [5] امانی ص۲۶۳ ج۲ [6] بعض حضرات سے دونوں کو جمع کرنا بھی منقول ہے ۱۲۔

فرماکر صلوٰۃ فجر کے وقت ان کے ذریعے ثابت فرمایا کہ ان احادیث سے معلوم ہو کہ فجر کا اول وقت طلوع صبح صادق ہے اور آخری وقت طلوع شمس ہے[1] اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے ایسے ہی ظہر کا وقت ان احادیث سے معلوم ہو گیا کہ زوال شمس کے بعد ہے[2] باتفاق المسلمین اب رہا آخری وقت اس کے متعلق احادیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے دن آپ نے حین کان ظل وکل شیٔ مثلہ، ظہر کی نماز پڑھی اور اسی دن عصر کی نماز پہلے پڑھی تھی اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ وقت دونوں نمازوں کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن مصنف رح نے فرمایا کہ ظہر کی نماز پڑھنا جبکہ ہر شئی کا سایہ ایک مثل ہو جائے اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مثل کے قریب ہو جائے، گویا کہ ظہر کی نماز عصر کے وقت سے ذرا پہلے پڑھی گئی ہے اور پھر اس پر دلائل قائم فرمائے اور ثابت فرمایا کہ ظہر کا وقت ختم ہو جانے کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے دونوں نمازوں کا اشتراک فی وقت[3] واحد نہیں ہے بعدہٗ عصر کا وقت بیان فرمایا کہ اول وقت حدیث سے معلوم ہوا کہ جب ہر شئی کا سایہ ایک مثل ہو جائے اور آخری وقت بعض احادیث سے معلوم ہوا کہ غروب شمس تک ہے اور یہی احناف کا مذہب اب دونوں احادیث کے تعارض کو دفع کرنے کیلئے یہ کہا جائیگا کہ وقت مختار اور مستحب تو یہ ہے اذا صار ظل کل شیٔ مثلیہ اور وقت جواز غروب شمس تک[4] ہے بعدہٗ مغرب کے وقت کو بیان کیا گیا کہ اس کا اول وقت غروب شمس[5] ہے اور آخری وقت غروب شفق ہے، البتہ طاؤس عطاء وہب بن منبہ کے نزدیک[6] مغرب کی ابتداء طلوع نجم کے بعد ہے، لیکن یہ شاذ ہے پھر مصنف رح نے شفق کے اختلاف کو بیان فرمایا کہ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک شفق بیاض کا نام ہے اور ائمہ ثلاثہ وصاحبین کے نزدیک حمرار کا نام ہے بعدہٗ مصنفؒ نے نظر قائم کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مغرب کے بعد جو حمرار اور بیاض ہوتی ہے ایسے ہی فجر کے بعد بھی حمرار اور بیاض ہوتی ہے اور صبح کی نماز ان دو وقتوں میں بالاتفاق جائز ہے تو مغرب کے بعد جو دونوں وقت ہوتے ہیں ان میں بھی مغرب کی نماز ہونی چاہیئے اس کے بعد عشار کے وقت کو بیان فرمایا کہ اس کا ابتدائی وقت غروب شفق ہے اور آخری وقت تمام رات ہے صبح صادق تک اور اس پر دلائل قائم فرمائے اور باب کو ختم فرمایا واضح رہے کہ اس باب کے اندر حضرت مصنف رح نے نمازوں کے وقت جواز ابتدار اور انتہار کو بیان فرمایا ہے اور ان کا مستحب وقت آئندہ ابواب میں مستقلاً ذکر فرمائیں گے، واللہ اعلم ۔۔۔

بَابُ الجمعِ بین الصَّلوٰتین کیف هو

جمہور کا اس بات کے اوپر اتفاق ہے کہ جمع بین الصلوٰتین بغیر عذر کے جائز نہیں ہے البتہ ظاہریہؒ اور ابن سیرینؒ ربیعہ اشعبؓ کے نزدیک بغیر عذر کے بھی جائز ہے بشہر وان لا یتخذ علی ذالک عادۃ[7] جمہور کے نزدیک عرفہ مزدلفہ کا جمع تو سنت ہے[8] اس کے علاوہ تو رخصت ہے اگر کوئی عذر ہو مثلاً مرض سفر حضر کی قسم سے

---

[1] قال ابن رشد اتفقوا الخ ص ۲۶۵ ج ۲۔ [2] اوجز ص ۱ ج ۱۔ [3] امام مالکؒ کے نزدیک ایک مثل ہو جانے پر ظہر اور عصر دونوں کیلئے مشترک ہے اور جمہور علمار اشتراک کے قائل نہیں۔ اوجز ص ۱ ج ۱۔ [4] دبہ قال الجمہور علی انہ الی غروب الشمس وقیل الی الاصفرار اوجز ص ۳ ج ۱۔ [5] ونقل علیہ الاجماع الخ [6] ایضاً [7] ایضاً [8] امانی ص ۳۳ ج ۲

عہ یعنی فی السفر ص ۳۱ ج ۲ امانی

اور ابن عربیؒ نے پانچ مسلک اس میں نقل کئے ہیں اول یہ کہ ان اعذار میں جمع جائز نہیں ہے یہ مذہب حنفیہ کا ہے شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے امام مالکؒ کے نزدیک بھی جائز ہے اگر چلنے میں عجلت کی ضرورت ہے دوسری روایت امام مالکؒ کی ہے کہ مکروہ ہے ابن حبیب مالکیؒ کے نزدیک جائز ہے جبکہ قطع طریق کا ارادہ ہو ایک قول ابن ظاہریہؒ ابن حزم وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جمع تقدیم جائز نہیں ہے جمع تاخیر جائز ہے جو لوگ جواز کے قائل ہیں ان کا استدلال ان احادیث کثیرہ سے ہے جن کے اندر آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع فرمایا ہے۔
احناف کی طرف سے ان تمام روایات کا جواب یہ ہے کہ وہاں جمع حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ صوری مراد ہے یعنی ظہر کی نماز کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کی نماز کو اس کے اول وقت میں جمع کر کے آپ نے پڑھا ہے اور جس روایت کے اندر جمع فی غیر خوف ولا سفر جمہور کے خلاف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر عذر کے جائز ہے اور یہی ظاہریہ وغیرہ کا استدلال ہے جمہور کی طرف سے اس کے متعدد جواب ہیں اور اس قسم کے مضمون کی تین روایتیں ہیں سب کا حسب موقع یہی جواب ہے (۱) جمع یہاں پر سفر کی وجہ سے تھا (۲) مرض کی وجہ سے تھا لیکن ان دونوں جوابوں میں نظر ہے (۳) غیم کی وجہ سے جمع فرمایا تھا (۴) یہ روایت حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے اور اس کے متن میں اضطراب ہے (۵) اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہے اور ہمارے نزدیک بھی جائز ہے باب کا خلاصہ یہ ہے، سنیئے حضرت مصنفؒ نے باب کے شروع میں وہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے ثابت ہوا کہ مطلقاً جائز ہے بعدہٗ فرماتے ہیں فذھب قوم الی ھذہ الآثار اس کے مصداق ہیں سفیان ثوریؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ امام اسحاقؒ اشعبؒ وغیرہ ہیں۔ وخالفھم فی ذلک آخرون۔ اس کے اندر حسن بصریؒ ابن سیرینؒ ابراہیم نخعیؒ اسود امام ابو حنیفہؒ صاحبینؒ سب داخل ہیں ان کے نزدیک جمع تقدیم و تاخیر تو جائز نہیں بلکہ وہ تو عرفہ اور مزدلفہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

بَابُ الصَّلٰوۃ الوسطیٰ اَیّ الصَّلٰوۃ ؟

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن پاک کے اندر جو آیا ہے، حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ اس کے اندر صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق کیا ہے ؟ حضرتؒ امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک اس کا مصداق صلوٰۃ فجر ہے (۲) حضرتؓ زید ابن ثابت رضی اللہ اور عروہ ابن زبیرؓ کے نزدیک اس کا مصداق صلوٰۃ ظہر ہے (۳) حضرت امام صاحبؒ اور حضرت امام احمدؒ ابن حنبل داؤد ظاہری سفیان ثوریؒ کے نزدیک اس کا مصداق صلوٰۃ عصر ہے۔ یہی جماہیر ات فقہاء انصار کا مسلک ہے اور یہی حضرت شافعیؒ کا ایک قول ہے (۴) واحدی ایک مفسر ہیں ان کے نزدیک اس کا مصداق صلوٰۃ عشاء ہے امامیہ کے نزدیک بھی صلوٰۃ

---

[1] امانی ص۳۳۴ ج ۲۔ [2] ایضاً [3] تقریباً اس میں ۲۰ اقوال ہیں امانی ص۳۳۵ ج ۲۔ [4] ایضاً [5] ایضاً [6] وبہ قال اکثر الصحابہ رضؓ والتابعین والائمۃ ص۳۳۵ ج ۲۔ باقی تمام اقوال امانی ص۳۳۵ ج ۲، پر دیکھے جا سکتے ہیں ۱۲، اسلام غفر لہٗ

عشاء مراد ہے (۵) حسن بصری رح عوف بن مالک ابراہیم نخعی رح ابن حبیب مالکی رح کے نزدیک اس سے مراد صلوٰۃ جمعہ ہے
اس اختلاف کا خلاصہ سننے کے بعد واضح ہو کہ حضرت مؤلف رح نے باب کے شروع میں چند احادیث ذکر فرما کر یہ
ثابت فرمایا ہے کہ اس سے مراد صلوٰۃ ظہر ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے لیکن اس کو رد فرمایا ہے کہ ان احادیث سے
محافظت صلوٰۃ کی تاکید معلوم ہوتی ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد صلوٰۃ ظہر ہے پھر ان لوگوں کے
متعلق فرمایا جن کے نزدیک صلوٰۃ جمعہ مراد ہے اور ان لوگوں کے دلائل پیش فرمائے لیکن اس مضمون کی
احادیث جیسے صلوٰۃ جمعہ کے متعلق وارد ہوئی ہیں ایسے ہی صلوٰۃ عشاء کے متعلق وارد ہوئی ہیں اس بنا پر بعض
نے کہدیا کہ اس سے صلوٰۃ عشاء مراد ہے لیکن ان تمام روایات کے اندر کہیں بھی صراحۃً مذکور نہیں ہے کہ
صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق کیا ہے بلکہ ہر جگہ راوی کا استنباط اور اجتہاد مذکور ہے اور آپس میں تعارض ہے
لہٰذا ایسی حدیث تلاش کرنی چاہیئے جس کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تصریح ہو کہ اس کا
مصداق کیا ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رض کی روایت میں تصریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہے کہ
صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ عصر ہے لیکن حضرت ابن عمر رض کی ایک روایت کے اندر اس کے خلاف بھی مروی ہے
اس وجہ سے اور غور و خوض کیا تو بعض روایات سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے کیونکہ آیت کے اندر
والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین، اور صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے لہٰذا یہ مصداق
بھی نہیں بن سکتا اور زیادہ غور و خوض کرنے کے بعد احادیث تلاش کی تو اکثر احادیث اور آثار صحابہ رض سے
معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کا نام ہے چنانچہ مصنف رح نے آخیر باب تک وہ سب احادیث اور آثار ذکر فرمائے
جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز عصر ہی اس کا مصداق ہے۔ نیز قرآن پاک کے اندر آیت کریمہ اقم الصلوٰۃ
لدلوک الشمس سے ظہر کی نماز مراد ہے الیٰ غسق اللیل سے مغرب کی نماز مراد ہے اور من بعد صلوٰۃ
العشاء کے اندر نماز عشاء کا بیان ہے اور ان قرآن الفجر کان مشہوداً میں صبح کی نماز
کا تذکرہ ہے اب عصر ہی کی نماز رہ گئی جس کا ذکر کسی آیت کے اندر نہیں ہے، سوائے حافظوا علی
الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ کے۔ اس میں جو صلوٰۃ وسطیٰ آیا ہے یہی ان قرائن کی بنا پر اس کا
مصداق بن سکتی ہے نیز یہ درمیانی ہے اس اعتبار سے اس سے قبل دو نمازیں ہیں ایک فجر اور ایک ظہر
اور بعدہٗ دو نمازیں ہیں ایک مغرب اور ایک عشاء لہٰذا یہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے ؛
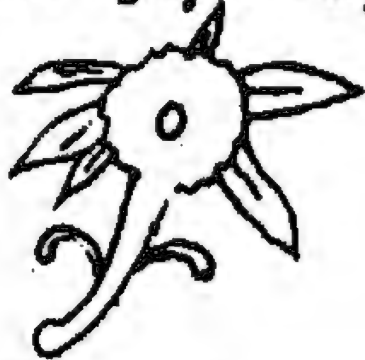
باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو؟

ماقبل کے اندر باب المواقیت میں صلوٰۃ خمسہ کے اوقات گذر رہے، جواز کے اعتبار سے اس باب میں صلوٰۃ خمسہ مستحبہ کو بیان کرتے ہیں چنانچہ سب سے قبل فجر کی نماز کا وقت ذکر فرماتے ہیں کہ مستحب وقت کیا ہے، امام صاحبؒ سفیان ثوریؒ و اہل کوفہ اور اہل عراق و صاحبینؒ کے نزدیک فجر کا مستحب وقت اسفار ہے[۱]، امام مالکؒ امام شافعیؒ داؤد ظاہری، ابوثور رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا مستحب وقت تغلیس ہے[۲] (۳) امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہی ہے اور دوسری روایت مشہور یہ ہے کہ اگر لوگ تغلیس میں داخل ہو جایا کریں تو وہی اولیٰ ہے ورنہ اسفار اولیٰ ہے (۴) امام طحاوی رحؒ کے نزدیک غلس کے اندر شروع کرنا اور اسفار کے اندر ختم کرنا اولیٰ ہے امام طحاوی رحؒ نے شروع باب کے اندر متعدد احادیث ذکر فرما کر ائمہ ثلاثہ کے مذہب کو ثابت فرمایا کہ تغلیس اولیٰ ہے بعدہٗ وہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جن کے اندر اسفار میں نماز فجر پڑھنا اولیٰ ہے لیکن ان دونوں قسم کی احادیث کو ذکر فرما کر امام نے فرمایا کہ ان دونوع کی احادیث سے تو صرف یہ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں وقتوں کے اندر نماز فجر پڑھائی ہے لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ کونسا وقت اولیٰ اور مستحب ہے؟ اس کے لئے مستقل احادیث تلاش کرنے کی ضرورت ہے غور و خوض کرنے کے بعد بہت سی احادیث قویہ میں جس کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسفار کا حکم فرمایا اور صرف اسفار پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا فانہٗ اعظم للاجر، بہت سی احادیث مختلف الفاظ سے اس مضمون پر دلالت کرتی ہیں اس کے بعد امام طحاوی رحؒ نے اپنا مسلک ثابت فرمایا اور پوری قوت کے ساتھ دلائل پیش فرمائے جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ متعدد صحابۂ کرام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے نماز کے اندر قرأت طویل کی ہے اور قرأت طویل اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ غلس میں شروع اور اسفار میں ختم ہو مثلاً سورۂ یوسف، آل عمران، التطفیف وغیرہ کا پڑھنا احادیث میں ثابت ہے ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ تمام سورتیں پڑھی ممکن ہیں کہ چند رکوع تلاوت فرمائے۔ جواب یہ ہے کہ گاہے گاہے یہ سورت تلاوت کی عام طور سے طوال مفصل سے پڑھتے تھے لہٰذا اس سورت کے اندر استحباب وقت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے ۔۔

واللہ اعلم بالصواب

---

[۱] امانی ص ۳۶۵ ج ۱ / ۲ [۲] ایضاً ص ۲۶۶

بَابُ الْوَقْتِ الَّذِیْ یُسْتَحَبُّ اَنْ یُّصَلِّیَ صَلٰوۃَ الظُّھْرِ فِیْهِ ؟

اس باب سے صلوٰۃ ظہر کے استحبابی وقت کو بیان فرمایا ہے اس کے اندر بھی اختلاف ہے ۔ حضرت امام شافعی رح کے نزدیک ظہر کو اول وقت میں پڑھا جائے گا ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک ابراد افضل ہے گرمی میں تعجیل افضل ہے موسم سرما میں اسی اختلاف کو بیان کرنے کے لئے یہ باب منعقد فرمایا۔ شروع میں وہ احادیث ذکر فرمائی جو مستدل ہیں حضرت امام شافعی رح کی ان سب سے معلوم ہوا کہ زوال شمس کے بعد حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر ادا فرمائی ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ فذھب قوم الی ھذا۔ اس کے اندر حضرت امام شافعیؒ لیث ابن سعدؒ اشہب مالکیؒ اور ایک جماعت اہل عراق کی شامل ہے وخالفھم فی ذلک آخرون حضرات ائمہ ثلاثہ صاحبین جماہیر امت کا یہی مذہب ہے اور وہ تمام احادیث جن کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ابراد میں پڑھنا ثابت ہے اور وہ احادیث جن کے اندر ابراد میں پڑھنے کا امر ہے وہ سب دلیل ہیں اور ان کی احادیث کا جواب ۱ یہ سب منسوخ ہیں ۲ وہ شتاء (سردی) پر محمول ہیں ۳ بیان جواز کے لئے ہیں ،

واللہ اعلم بالصواب

بَابُ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ ھَلْ تُعَجَّلُ اَوْ تُؤَخَّرُ

اس باب کے اندر حضرت مؤلفؒ نے نماز عصر کے مستحب وقت کو بیان فرمایا لیکن عام عادت اور قاعدہ کے مطابق اس باب کے اختلاف کو ذکر نہیں فرمایا بلکہ جو احادیث احناف کے خلاف ہیں ان کو ذکر فرما کر ان کا جواب دیا ہے اور آخر میں فرمایا ھو الذی استحببنا ہ من تاخیر العصر وھو قول ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ ومحمدؒ اب اس کے اندر اختلاف ہے سنئے حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ اسحاق بن راہویہؒ ابن مبارکؒ لیث ابن سعدؒ اوزاعیؒ کے نزدیک تعجیل صلوٰۃ العصر کے اندر مستحب ہے اور حضرت امام صاحبؒ سفیان ثوریؒ کے نزدیک تاخیر مستحب ہے اس وقت تک کہ اصفرار الشمس نہ ہو اس کے بعد وقت ناقص شروع ہو جاتا ہے ، واللہ اعلم بالصواب ۔:۔

---

۱ امانی ص۱۲۹۶ ج۲ ۲ ایضاً ۳ ایضاً ۴ ایضاً ص۲۰۲ ۵ ایضاً ۶ ایضاً ص۲۱۳ ج۲ ۷ ایضاً

بَابُ رَفعِ الیَدَینِ فِی اِفتِتَاحِ الصَّلٰوۃ

اس باب سے مقصود اس اختلاف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کہاں تک کرے مصنفؒ نے ایک روایت ذکر فرمائی۔ رفع یدیہ ھذا[1] اور آگے فرماتے ہیں فذھب قوم اس کے مصداق حضرت امام احمدرحؒ ہیں[2] اور ان کے نزدیک اختیار ہے منکبین تک رفع کرے اور عورت کے متعلق دو روایتیں ہیں[3] ایک یہ کہ وہ رفع نہ کرے ایک یہ کہ ثدیین تک رفع کرے گی اور ان کا استدلال یہی مذکورہ روایت ہے۔ وخالفھم فی ذٰلک آخرون۔ اس کے اندر ائمہ ثلاث داخل ہیں اور ان حضرات کے نزدیک منکبین تک رفع یدین کرے گی البتہ مالکیہ رح شافعیہ رح کے نزدیک مرد اور عورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور حنفیہ رح کے نزدیک عورت کے ثدیین تک مرد کے لئے منکبین تک اور چونکہ روایات مختلف ہیں بعض میں منکبین بعض میں اذنین اور بعض میں شحمتی اذنین وارد ہوا ہے علماء نے اس[4] کے اندر جمع فرمایا کہ ہاتھ کو اس طرح رکھے کہ انگلیوں کے پوروے اعلیٰ اذنین کے مقابل ہو جاویں گی۔ اور رسغین منکبین کے مقابل میں ہوں گے مصنف رح نے آخیر تک وہ روایات ذکر فرمائیں جو ائمہ ثلاثہ کے مستدل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب ؛

بَابُ مَا یُقَالُ فِی الصَّلٰوۃِ بَعدَ تَکبِیرِ الاِفتِتَاح

اس باب کے اندر مصنف رح نے چند احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے ثابت ہوا کہ قبل الفاتحہ سبحانک اللھم الخ پڑھنا چاہیئے پھر فرماتے ہیں فذھب قوم الیٰ ھذا اس کے اندر امام صاحبؒ امام احمدرح امام شافعی رح داخل ہیں البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس دعاء کے ساتھ اِنِّی وَجَّھتُ وَجھِیَ الخ اور ملانا چاہیئے اس کو وخالفھم فی ذٰلک آخرون سے بیان فرمایا۔ البتہ امام مالکؒ کے نزدیک قبل الفاتحہ کچھ نہیں پڑھا جائے گا۔[5]

واللہ اعلم بالصواب

---

[1] قیل احمدؒ الخ اوجز ص۲۰۲ ج۱، [2] قال الاحمد فیہ روایتین الخ اوجز ص۲۰۲ ج۱، [3] وبھذا اخذ مالکؒ والشافعیؒ امانی ص۲۰۱ ج۳،
[4] قال الشیخ فی الاوجز..... الظاہر ان الاختلاف فیہ کانہ لفظی الخ ایضاً..... عن الامام الشافعی رح انہ حین دخل مصر الخ۔
[5] وقد علم بھذا کلہ ان الائمۃ رح ما اختلفوا فیہ الخ اوجز ص۲۰۲ ج۱ [6] امانی ص۵-۳ ج۳ بحیث کاذی الخ [7] امانی ص ج۳

بَابُ قِرَأَۃِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِی الصَّلٰوۃِ

اس باب کے اندر دو مسئلے ہیں ایک یہ کہ نماز کے اندر قبل الفاتحہ تسمیہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ جہراً پڑھا جائے گا یا سراً مصنف رح کا مقصود ثانی مسئلے کو بیان کرنا ہے کیوں کہ اول اس کے ضمن میں آجائے گا۔ اب دونوں مسئلے سنیئے امام شافعی رح کے نزدیک تسمیہ سنت امام اعظم رح اور امام احمد رح کے نزدیک مستحب ہے امام مالک رح کے نزدیک نماز میں تسمیہ پڑھنا مکروہ ہے دوسرے مسئلے میں امام شافعی رح کے نزدیک جہراً پڑھا جائے گا امام صاحب رح اور امام احمد رح کے نزدیک سراً پڑھا جائے گا۔ مصنف رح نے چند احادیث شروع میں ذکر فرمائیں جن سے امام شافعی رح نے جہر پر استدلال کیا ہے اور یہی مصداق ہیں فذھب قوم الی ھٰذا اس کے برخلاف حضرت امام صاحب رح اور امام احمد رح کے نزدیک سراً ہے اور یہی وخالفھم فی ذٰلک سے مراد ہیں اور پھر بہت سے مستدلات ذکر فرمائے ہیں جن سے معلوم ہوا کہ یہ سراً ہے جہراً نہیں ہے نیز عقل اور نظر کا تقاضہ بھی یہی ہے یا مستقل آیت ہے امام شافعی رح کے نزدیک وہ قرآن پاک کی ایک آیت اور سورۃ فاتحہ کا جز ہے اس لئے فاتحہ کی طرح اس میں بھی جہر ہے، لیکن عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ جیسے یہ تسمیہ قرآن پاک کی تمام سورتوں کے شروع میں لکھی ہوتی ہے اور ان کا جز نہیں ہے ایسے ہی فاتحہ کا بھی جز نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم ؂

بَابُ القِرَأۃِ فِی الظُّهْرِ وَالعَصْرِ

اس مسئلے کے اندر سلف صالحین رح کے اندر اختلاف رہ چکا ہے کہ صلوٰۃ ظہر و عصر کے اندر قرأت ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس رض حسن ابن صالح رح سعید ابن غفلہ رح ابراہیم ابن علیہ رح دروی عن ابن عمر رض ایضاً ان کے نزدیک صلوٰۃ ظہر میں قرأت نہیں ہے، یہی ایک روایت مالکیہ کی ہے یہی لوگ مصداق ہیں فذھب قوم الی ھٰذہ الآثار اس کے برخلاف اب جماہیر امت کا ..... اس بات پر اتفاق ہے کہ قرأت ان دونوں نمازوں میں بھی ان ہی نمازوں کی طرح ہے کہ جس طرح اور نمازوں میں ہے وخالفھم کے اندر جمہور مراد ہیں اس کے بعد مصنف رح نے متعدد احادیث ذکر فرمائیں جن سے ثابت ہوا کہ بغیر قرأت کے نماز ہی نہیں ہوتی ہے نیز نظر و عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جو چیز کسی ایک نماز

۱؎ اوجز ص۲۲۵ ج۱ ۲؎ اعلم ان الائمۃ رح ۱/۲ ۳؎ ثم اختلفوا الخ ان الشافعی رح یسن الجہر ۱/۲ اوجز ص۲۲۸ ج۱ ۴؎ ان البسملۃ ۱/۲ ایضاً ۵؎ امانی ص۶۰ و ص۶۱ ج۳ ۶؎ و مالک رح فی روایۃ ۱/۲ ص۶۱ ج۳

میں فرض ہے وہ تمام نمازوں کے اندر فرض ہوتی ہے ایسے ہی قرأت بھی تین نمازوں کے اندر فرض ہے ایسے ہی ان دونوں نمازوں میں بھی فرض ہوگی اور پھر آخیر باب تک مصنف رح نے وہ احادیث ذکر فرمائیں جن کے اندر قرأت کا ذکر ہے ؛ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ القرأت فِی صَلوٰۃ المُغرِبْ

مصنف رح نے شروع باب کے اندر متعدد احادیث سے ثابت فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے اندر طویل قرأت فرمائی اور آگے فرماتے ہیں فذهب قوم ان لوگوں کے نزدیک مغرب میں طویل قرأت ہونی چاہیئے اس کے اندر زید بن ثابت رض، ظاہریہ، عروہ ابن زبیر وغیرہ ہیں وخالفھم فی ذلك آخرون اس کے اندر امام صاحب امام شافعی رح امام احمد ہیں ان لوگوں کے نزدیک طوال مفصل کا پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، اور امام مالک نے نزدیک مکروہ ہے اب یہ کہ جن روایات کے اندر طویل قرأت کا ذکر ہے ان کا کیا جواب ہے۔ علماء نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں امام محمد اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں کان ثم نسخ ای ترك الخ اس کو امام ابو داؤد نے اختیار فرمایا ہے، حضرت امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جن روایات کے اندر طویل قرأت کا ذکر ہے نیز طویل سورتوں کا ذکر ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ کل حصہ نہیں پڑھتے تھے امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ راوی کو ان روایات کے اندر شک پیدا ہو گیا یہ سورتیں آپ نماز مغرب کے بعد نوافل میں پڑھتے تھے راوی کو وہم ہوا اور اس نے مغرب کی نماز کے اندر سمجھا نیز یہ کہا جائے کہ یہ روایات بیان جواز پر محمول ہیں آگے چلکر مصنف رح نے جمہور کے دلائل بیان فرمائے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز میں حضور ص قرأت کے اندر تخفیف کرتے تھے، واللہ اعلم

بَابُ القرأۃ خلف الاِمام ؟

اس مسئلے کے اندر بھی اختلاف ہے امام کے پیچھے مقتدی قرأت کریگا یا کہ نہیں؟ روایات کے اندر اضطراب ہے بعض سے ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی (صحابہ رض) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے بعدہٗ بعض روایات سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرأت کے اندر منازعت نہ کرو، اور پھر آپ نے صراحۃً منع فرمایا جن روایات کے اندر ثبوت ہے وہ امام شافعی رح کا مستدل ہے ان کے نزدیک قرأت خلف الامام ہے اور مقتدی کیلئے واجب ہے کہ وہ فاتحہ پڑھے اس کو امام طحاوی نے تعبیر کیا فذهب قوم [1] وخالفھم فی ذلك الخ [2] اس کے اندر

---

[1] امانی ص۹۰ ج۳ امام شافعی سے بھی یہ مذہب منقول ہے ۱۲ [2] ایضاً وبہ قال النخعی والثوری وابن مبارک عمہ قال الشیخ فی الاوجز ان اختلاف الائمۃ فی ہذہ المسئلۃ لیس بشدید لان جمہور الائمۃ متفقون علی عدم وجوب القرأت خلف الامام امانی ص۱۰۰ ج۳ [3] امانی ص۱۰۰ ج۳ امام مالک ص۹ احمد ابن مبارک، اوزاعی ان حضرات کے نزدیک مستحب ہے ۱۲ [4] امانی ص۱۰۱ ج۳

احناف رح اور جمہور داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک مقتدی کیلئے کسی قسم کی کوئی قرأت جائز نہیں ہے بلکہ احادیث کے اندر صراحۃً انصات کا ذکر ہے اور متعدد احادیث اس مضمون کی ذکر فرمائیں آگے چل کر نظر سے ثابت فرمایا کہ مقتدی کیلئے قرأت نہیں ہے اور خلاصہ نظر یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ نمازوں کے اندر جتنے بھی فرائض ہیں وہ جیسے غیر ضرورت کی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتے حالت ضرورت میں بھی ان کا سقوط نہیں ہوتا مثلاً امام رکوع کے اندر ہے اور اگر کوئی شخص بغیر تو سرکے تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع میں چلا جائے تو یہ جائز نہیں ہے اور نماز نہیں ہوگی کیونکہ نماز کے اندر دخول تکبیر تحریمہ کے ساتھ فرض ہے لیکن اگر کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں تکبیر تحریمہ کہہ کر شامل ہو جاوے اور قرأت نہ کرے تو بالاتفاق نماز ہو جاتی ہے معلوم ہوا کہ یہ قرأت اس کے ذمے فرض نہیں ہے آگے چل کر مصنف رح نے فرمایا کہ اگر مخاطب یہ کہے کہ بہت سے صحابہؓ سے مروی ہے کہ وہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ قرأت نہ کرنا بھی سیکڑوں صحابہؓ سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الخفض فی الصلوٰۃ

اس باب سے مقصود مصنف رح کا یہ ہے کہ نماز کے اندر جو انتقالات من رکن الی رکن ہوتے ہیں انکے اندر تکبیر ہے یا نہیں ہے؟ بعض روایات کے اندر لا یتم التکبیر کے الفاظ آتے ہیں اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا گیا کہ جن انتقالات کے اندر رفع ہے ان کے نزدیک تو تکبیر ہے سوائے رفع من الرکوع کے اور جن کے اندر خفض ہے ان کے اندر تکبیر نہیں ہے جیسے خفض الی الرکوع والی السجود وغیرہ جن لوگوں کا مذہب یہ ہے ان کو مصنف رح بیان فرماتے ہیں۔ فذھب قوم اس کے اندر حضرت عثمان غنیؓ[1] امیر معاویہؓ، زیاد بن ربیعہؓ رضوان اللہ اجمعین حضرت عمر بن عبدالعزیز رح سالم قاسم رح سعید بن جبیر رحمہم اللہ ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے اول من ترک التکبیر وھو عثمان رضؓ وقیل معاویؓ قیل زیاد بعض لوگوں نے ان اقوال کے اندر تطبیق دی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ضعف کی وجہ سے چھوڑ دی تھی اور حضرت معاویہ نے ان کی تقلید کی ہے اور زیاد نے حضرت معاویہ کی تقلید میں ایسا کیا وخالفھم فی ذلک آخرون[2] اس کے اندر جماہیر امت ائمہ اربعہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک کل خفض و رفع میں تکبیر ہے اور متعدد احادیث سے ثابت ہے جن کو حضرت امام رح نے ذکر فرمایا ہے[3] اور اس حدیث کو جس کو مصنف رح نے فریق مخالف کے استدلال میں پیش فرمایا ہے اور اس کے لا یتم التکبیر آیا ہے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔ جواب[1] ابوداؤد طیالسی فرماتے ہیں کہ انہ باطلٌ

---

[1] امانی ۱۹۵/۳ج وصفحہ ۱۹۶/۳ [2] صفحہ ۱۹۶/۳ج وکان معاویۃ الخ [3] قال النووی وھذا مجمع علیہ صفحہ ۱۹۶/۳ج وصفحہ ۱۹۵/۳ [4] امانی صفحہ ۱۹۵ ج ۳

(۲) امام طبری رح فرماتے ہیں کہ تفرد بہ الحسن وھو مجھول یہی قول منقول ہے امام بزار سے جواب (۳) اگر اس حدیث کو صحیح مان لیں تو ایسا آپ نے بیان جواز کے لئے اختیار فرمایا ہے۔ جواب (۴) لایتم کا مطلب یہ ہے لایتم الجھر بہ لایتم نہیں بلکہ ثاء مثلثہ کے ساتھ لاثم ہے اس کے معنی ہیں کہ تکبیر کو توڑتے نہیں تھے بلکہ پورا کہتے تھے راوی نے خطاء کی اور ایک نقطہ حذف کردیا ثم النظر یشھد لہ اس نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رفع والے انتقال کے اندر تکبیر ہے تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ خفض والے انتقال کے اندر بھی تکبیر ہو کیوں کہ یہ غیر احوال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ؛

باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ رکوع اور سجود کے اندر جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ہوگا یا نہیں؟ مصنف رح نے متعدد احادیث شروع باب کے اندر ذکر فرما کر ثابت فرمایا کہ رفع ہے پھر فرماتے ہیں کہ فذھب قوم الی ھذا۔ حضرت امام شافعی رح امام احمد رح ابو ثور اہل ظاہر جماہیر اہل حدیث کے نزدیک رفع ہے اور یہی اس قوم کے مصداق ہیں اور ان کے نزدیک رفع واجب ہوگا آگے وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر احناف رحمۃ اللہ علیہ داخل ہیں ان کے نزدیک رفع یدین مسنون بھی نہیں ہے اور یہی مالکی حضرات کی روایت مشہور ہے اور پھر ان لوگوں کے استدلال کے اندر متعدد احادیث ذکر فرمائی جن سے ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور کوئی رفع نہیں ہے اور جن روایات کے اندر اس کے علاوہ رفع کا ذکر ہے وہ منسوخ ہیں آگے چل کر امام طحاوی رح نے نظر قائم فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کے اندر متعدد حالات ہیں جن میں تکبیر ہوتی ہے ایک تکبیر تحریمہ ہے اور ایک بین السجدتین ہے اور ایک تکبیر رکوع اور تکبیر الخفوض ہے اول کے اندر بالاتفاق سب کے نزدیک رفع یدین ہوگا اور ثانی بالاتفاق کسی کے نزدیک بھی رفع نہیں ہے۔ اب رہ گئی تیسری صورت اس میں اختلاف ہے اب دیکھیں گے کہ پہلی دوسری سے کسی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے تاکہ اس کا حکم اس کو دیدیا جائے۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ تو اس کو مشابہت نہیں ہے کیونکہ وہ صلب صلوٰۃ کے اندر ہے اور بغیر اسکے نماز شروع نہ ہوگی نہ صحیح ہوگی اور اب رہ گئی دوسری تکبیر کہ صلب صلوٰۃ میں سے نہیں اور بغیر اس کے نماز ہو جاتی ہے اور یہی حال تیسری صورت کی تکبیر کا ہے کہ بغیر اس کے نماز صحیح ہے۔ لہٰذا جب اس کو دوسری کے ساتھ مشابہت ہے تو اس کا حکم اسکو ملیگا۔ اور اس کے اندر رفع نہیں ہے اور دوسری صورت کے اندر بھی رفع نہیں ہے ؛ ، واللہ اعلم

عہ بزار۔ ؎ امانی ص ۱۶۹ ج ۳ ؎ ایضاً وہی روایۃ عن مالک رح ۱۲

باب التطبيق فی الرکوع

تطبیق کے معنی ہیں کہ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو ملا کر دونوں رانوں کے درمیان داخل کرنا اس باب سے مصنف رح کا مقصود یہ ہے کہ رکوع کی حالت میں تطبیق ہے یا نہیں ہے؟ حضرت ابن مسعود رضؓ ابراہیم نخعی رح علقمہ رح وغیرہم کے نزدیک تطبیق ہے اور یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں۔ وخالفهم فی ذلك آخرون اس کے اندر جماہیر امت ائمہ اربعہ داخل ہیں اور سیکڑوں احادیث سے ثابت ہے کہ رکوع کے اندر یدین کو رکبتین پر ایسے طور سے رکھنا چاہیئے کانه قابض علیها اور دلائل میں متعدد احادیث ذکر فرمائی ہیں ثم التمسنا حکم ذلك من طریق النظر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کے دوسرے حالات کے اندر ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں تفریق اعضا ہوتی ہے اور تطبیق کے اندر تفریق نہیں ہے لہٰذا دوسرے حالات کی طرح اسمیں بھی تفریق ہونی چاہیئے، واللہ اعلم۔

باب مقدار الركوع والسجود الذی لا یجزی اقل منه

اس باب کے اندر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ رکوع و سجود کی کتنی مقدار ہونی چاہیئے؟ مصنف رح نے حدیث ذکر فرما کر اشارہ فرمایا فذھب قوم" الخ اس کے مصداق ابو مطیع بلخی رح ہیں ان کے نزدیک تین مرتبہ سبحان ربی العظیم رکوع میں اور تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ سجدے کے اندر واجب ہے۔ وخالفهم فی ذلك آخرون اس کے اندر جماہیر امت اور ائمہ اربعہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک رکوع کی مقدار یہ ہے کہ اطمینان سے اختیار ہو جائے اور سجدے کی مقدار یہ ہے کہ اطمینان سے وجہ اور جبہہ[عه] ہو جائے اور سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی العظیم وغیرہ میں تین مرتبہ سنت کا درجہ ہے ظاہریہ رح کے نزدیک ایک مرتبہ واجب ہے۔ واللہ اعلم ۝

باب ما ینبغی ان یقال فی الرکوع

مصنف رح نے اس باب کے اندر تین مذاہب بیان فرمائے اول متعدد احادیث ذکر فرمائیں

---

[۱] امانی ص ۲۳۳ ج ۱ - ۲۲۹ ص [۲] ایضاً [۳] امانی ص ۲۳۰ ج ۱ [۴] وبہ قال اسحاق و داؤد رح و احمد رح فی المشہور وسائر الظاہریۃ [۵] ایضاً ص ۲۳۴ ج ۱

عه یعنی زمین پر جم جائے۔

جن سے ثابت ہوا کہ رکوع اور سجود کے اندر کوئی خاص دعا متعین نہیں ہے جو بعد میں آگے پڑھے
اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ فذھب قوم الی ھذا[1] اس کے اندر امام شافعی رح امام احمد رح اسحاق
ابن راہویہ رح داؤد ظاہری رحمہم اللہ داخل ہیں۔ دوسری جماعت وخالفھم فی ذلک آخرون[2] اس کے
اندر ائمہ احناف[3] داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک مناسب یہ ہے کہ سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی
العظیم صرف پڑھے اور کوئی مقدار متعین نہیں ہے یردد ماما احب البتہ کم از کم تین مرتبہ ضرور پڑھے
یہی سنت کا درجہ ہے اور جن روایات کے اندر اس کے علاوہ دوسری دعاؤں کا ذکر ہے وہ سب منسوخ ہیں
فسبح باسم ربك العظيم وسبح اسم ربك الاعلیٰ کے ذریعے[4] آخرون سے حضرات[5] مالکیہ مراد
ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدے میں مختلف دعائیں پڑھ سکتا ہے
آگے چل کر مصنف رح نے نظر قائم فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کے اندر ہر موضع میں ایک ذکر متعین ہے
جو دوسرے موضع کے اندر متعدی نہیں ہے مثلاً موضع قیام کے اندر سورۂ فاتحہ ... اس کو موضع رکوع وسجود
وتشہد کے اندر التحیات متعین ہے اس کو کسی دوسرے مواضع میں متعدی نہیں ہوگا لہٰذا جب حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موضع کے اندر سبحان ربی الاعلیٰ والعظیم کو بتلا دیا تو دوسری دعائیں دوسرے
موضع میں پڑھی جاتی ہیں اس موضع میں نہیں پڑھی جائیں گی۔ واللہ اعلم۔

باب الامام یقول سمع اللہ لمن حمدہ ھل ینبغی لہ

مصنف رح نے شروع باب کے اندر چند احادیث ذکر فرمائی جن سے ثابت ہوا کہ تسمیع اور تحمید کے اندر
قسمت ہے کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ تسمیع کہے گا اور مقتدی صرف تحمید یعنی ربنا لک الحمد کہیں گے۔
فرماتے ہیں فذھب قوم الی ھذا[1] اس سے مراد حضرت امام صاحب رح ہیں وخالفھم فی ذلک
آخرون[2] اس سے حضرات صاحبین رح حضرت امام شافعی رح حضرت امام مالک رح اور امام احمد رحمہم اللہ ہیں
ان لوگوں کے نزدیک امام تسمیع وتحمید دونوں کہے گا۔ اور یہ منفرد پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے وہ تسمیع
تحمید دونوں کرتا ہے ایسے ہی امام بھی دونوں کہیگا اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک صرف تحمید کہے گا
حضرات ائمہ ثلاثہ اور حضرات صاحبین والے مذہب کو حضرت امام طحاوی رح نے ترجیح دی ہے۔

عبدالحکیم ا

واللہ اعلم بالصواب

---

[1] ایضاً ج ۱ ص ۱۴۴ [2] وبہ قال ابراہیم والحسن او ج ۱ ص ۲۴۲ امانی [3] ابن مبارک رح اور مالکیہ حضرات امانی ج ۱ ص ۲۷۶ [4] ایضاً ص ۲۸۹ [5] ایضاً

عنہ یعنی جب یہ آیات نازل ہوگئی تھیں تو وہ سب دعائیں منسوخ ہوگئیں ۱۲

باب القنوت فی صلوٰۃ الفجر وغیرھا

قنوت کے دو مسئلے ہیں ایک یہ کہ وہ وتر میں ہے یا نہیں ہے؟ دوسرے یہ کہ صلوٰۃ فجر کے اندر ہے یا نہیں ہے؟ اور دونوں کے اندر اختلاف ہے پہلے مسئلہ کے اندر حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک قنوت فی جمیع السنۃ قبل الرکوع ہے امام احمدؒ کے نزدیک فی جمیع السنۃ بعد الرکوع ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک رمضان شریف کے نصف اخیر میں وتر کے اندر بعد الرکوع ہے اور باقی تمام سال قنوت فی الوتر نہیں امام مالکؒ کی ایک روایت ہے لا قنوت فی الوتر مطلقاً (۲) لک الاختیار ان شئت قنت وان شئت لم تقنت (۳) مثل امام شافعیؒ کی روایت ہے دوسرا مسئلہ فجر کے اندر ہے یہ بھی مختلف فیہ ہے اور یہی اس باب سے مقصود ہے امام صاحبؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فجر کے اندر قنوت نہیں ہے امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کے اندر بعد الرکوع قنوت مستحب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک قبل الرکوع قنوت فی الفجر مستحب ہے بعض نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ قنوت فی صلوٰۃ الفجر ہے لیکن دوسرے علماء نے اس کو غلط قرار دیا ہے ابن عمر ابن عباس رضی اللہ عنہم اور طاؤس کے نزدیک قنوت فی الفجر بدعت یعنی محدث ہے خلفاء الراشدین ابن مسعود ابن الزبیر رضی اللہ عنہم۔ لم یکونوا یقنتون۔ اور جو پڑھتا تھا اس کو ڈانٹتے تھے۔ امام طحاویؒ نے شروع باب کے اندر متعدد احادیث ذکر فرمائی اور ثابت فرمایا کہ قنوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں پڑھی ہے فرماتے ہیں فذھب قوم الی ھذا۔ اس کے اندر مالکیہؒ شوافعؒ داخل ہیں ان کے نزدیک بعد الرکوع اور ایک کے نزدیک قبل الرکوع ہے وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر احناف اور حنابلہ داخل ہیں ایک تیسرا اختلاف اور ہے کہ قنوت فی الوتر کونسی پڑھی جائے گی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نخلع پڑھی جائے گی اور شوافع کے نزدیک اللھم اھدنا فی من ھدیت الی آخرہ پڑھے یہی حنابلہ کا مذہب ہے امام مالکؒ کے نزدیک دونوں کے درمیان جمع کرے گا نیز حضرت امام طحاویؒ کے نزدیک قنوت نازلہ بھی ثابت نہیں ہے۔ جیساکہ آخر باب کے اندر فرمایا ہے واللہ اعلم :۔

باب ما یبدأ بوضعہ فی السجود الیدین

اس باب کے اندر بیان فرمایا ہے کہ سجدے کے اندر جاتے وقت کس عضو کو پہلے رکھے چند احادیث سے ثابت ہوا کہ یدین پہلے رکھیں گے اسی کے متعلق فرمایا فذھب قوم الی ھذا۔ اس کے اندر

---

[۱] امانی ج۱/۲۴۴ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ج۱/۲۴۴ [۵] غالباً وہ دعا جس میں "نخلع ونترک" ہے واسلام غفرلہ،

امام مالکؒ امامؒ اوزاعیؒ امام احمد رحمہم اللہ بھی ایک روایت کے اعتبار سے اس میں داخل ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر احناف شوافع اور امام احمد رحمہم اللہ کی دوسری روایت ہے امام مالکؒ کی ایک روایت تخییر ہے۔ بہر حال ان مخالفین کے نزدیک رکبتین پہلے اور پھر یدین رکھے جائیں گے اور متعدد احادیث دلائل میں پیش فرماتے ہیں۔ اور پھر نظر قائم فرماکر احناف کے مسلک کو ثابت فرمایا اور خلاصہ نظر یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو عضو سجدہ کے اندر بعد میں رکھا جاتا ہے وہی سب سے پہلے اٹھایا جاتا ہے۔ مثلاً راس ہے وہ سب کے نزدیک بالاتفاق بعد میں رکھا جائے گا۔ اور رفع کے اندر مقدم رہے گا۔ اس کے بعد یدین کا رفع کرتے ہیں پھر رکبتین رفع کے اندر سب سے بعد میں ہے لہٰذا وضع کے اندر سب سے مقدم ہوگا حضرت الاستاذ محترم رحمہ فرماتے ہیں کہ دوسری نظر اور ہو سکتی ہے وہ یہ کہ جو عضو زمین سے زیادہ قریب ہے وہ سب سے پہلے رکھا جائے گا۔ اور وہ رکبتین پھر یدین پھر راس ہیں، اور رفع کے اندر اس کا عکس ہے۔ وھو قول ابی حنیفہ وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ اجمعین ؛۔

باب وضع الیدین فی السجود این ینبغی ان یکون؟

اس باب کے اندر مصنف رحمہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ سجدہ کے اندر یدین کو کس جگہ رکھے؟ امام مالکؒ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک اذنین کے مقابل رکھے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ منکبین کے مقابل میں رکھتے ہیں یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں اور اول لوگ خالفھم فی ذلک آخرون کے مصداق ہیں اور ہر ایک کے دلائل باب کے اندر موجود ہیں۔ فانظر فی الکتاب ؛

باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ

اس باب کے اندر مصنف رحمہ نے یہ مسئلہ فرمایا کہ تشہد کے اندر جلوس کی کیا کیفیت ہونی چاہیئے؟ شروع باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوا کہ جلوس میں تورک ہونا چاہیئے جس کی صورت یہ ہے کہ مصلے پر اپنے دونوں پیروں کو دائیں جانب نکال کر سرین پر بیٹھے دوسری صورت یہ ہے کہ جو حضرت امام طحاویؒ نے ذکر فرمائی کہ رجل یمین کو کھڑا کرے اور رجل یسریٰ کو موڑے اور سرین پر بیٹھے فرماتے ہیں فذھب قوم الی ھذا الآثار اس کے اندر مالکیہ داخل ہیں ان کے نزدیک تشہد میں تورک ہے وخالفھم فی ذلک آخرون

---

۱ امانی ص۲۳ ۲ ایضاً ۳ امانی ص۲۴ ۴ امانی ص۲۴ ۵ ایضاً ص۲۵

اس کے اندر شافعیہ[1] اور حنابلہ داخل ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک تشہد ثانی میں تورک ہے اور تشہد اولیٰ میں تورک نہیں ہے البتہ ان دونوں میں ایک باریک فرق ہے وہ یہ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک دوسرا تشہد ہونا ضروری ہے لہٰذا جس نماز میں صرف ایک تشہد ہے مثلاً فجر کی نماز یا جمعہ کی نماز ان میں تورک نہیں ہے اور حنابلہ کے نزدیک تشہد ثانی کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تشہد آخیر میں تورک ہے لہٰذا فجر کی نماز کا تشہد آخری تشہد ہے لہٰذا اس کے اندر تورک ہے ان لوگوں کی تائید میں مصنف رحؒ نے چند احادیث ذکر فرمائی بعدہٗ فرماتے ہیں وخالفھم فی ذٰلک آخرون اس سے مراد حضرات احناف رحؒ ہیں ان لوگوں کے نزدیک دونوں تشہد میں تورک نہیں ہے بلکہ افتراش یعنی رجل یمین کو کھڑا کرے اور رجل یسریٰ پر بیٹھے بعدہٗ مصنف رحؒ نے متعدد احادیث سے یہی مذہب ثابت فرمایا اس کے بعد مصنف رحؒ نے نظر قائم کی جس کا ماحصل یہ ہے کہ نماز کے اندر جو مابین السجدتین قعود ہوتا ہے اس کے اندر تورک نہیں ہے ایسے ہی قعود اولیٰ میں بھی تورک نہیں ہے، لیکن مابین السجدتین والا قعود فرض ہے اور قعود اولیٰ سنت ہے اب ہم قعود ثانی کو دیکھیں گے کہ اگر سنت ہے تو اس کا حکم لحکم قعود اولیٰ ہوگا۔ اور اگر فرض ہے تو اس کا حکم لحکم القعود فی مابین السجدتین کا حکم ہے اور ہمارے نزدیک قعود ثانی فرض ہے لہٰذا اس کا حکم قعود مابین السجدتین کا حکم ہوگا۔ لہٰذا جیسے اس کے اندر تورک نہیں تو قعود ثانی کے اندر بھی تورک نہیں ؛

بَابُ التشہد فی الصّلوٰۃ کیف ھو؟

اس باب کے اندر مصنف رحؒ تشہد[2] کا ذکر فرماتے ہیں شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تشہد ذکر فرمایا جو مالکیہ کا مختار مذہب[3] ہے بعدہٗ فذھب قوم فرمایا اس سے مراد حضرات مالکیہ رحؒ ہیں وخالفھم فی ذٰلک آخرون[4] اس کے اندر ائمہ ثلاثہ داخل ہیں البتہ حنفیہ رحؒ کے نزدیک[5] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد اولیٰ ہے اور شوافع وحنابلہ کے نزدیک ابن عباس رضؓ کا تشہد اولیٰ ہے ؛

بَابُ السلام فی الصّلوٰۃ کیف ھو ؟

اس باب کے اندر یہ بیان فرمائیں گے کہ نماز کے اندر کتنے سلام ہیں اور کیا حکم ہے حضرت امام[6] مالکؒ کے نزدیک امام اور منفرد کے لئے سلام ایک ہوگا تلقاء وجہہ دوسری روایت ان کی یہ ہے کہ دو سلام ہوں گے۔ پہلا فرض اور دوسرا سنت ہے یہی حضرت امام شافعی رحؒ کا مذہب ہے تیسری

---

[1] امانی ج۴ ص۱۰۸ [2] ایضاً ص۱۰۹ وبہ قال الثوریؒ وابن مبارکؒ واسحاقؒ وابوثورؒ واصحاب الحدیث [4] ایضاً ج۴ ص۱۰۹ [5] امانی ج۴ ص۱۲۴

روایت ان کی یہ ہے کہ ایک سلام تلقاء وجہہ اور ایک سلام دائیں بائیں ہوگا۔ فذھب قوم الخ اس کے اندر صرف مالکیہ داخل ہیں روایت مشہورہ کے اعتبار سے کہ امام سلام صرف ایک پھیرے گا تلقاء وجہہ اور حدیث اول باب سے استدلال ہے وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمہ ثلاثہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک دو سلام ہیں البتہ امام احمد رح کے نزدیک دونوں فرض ہیں اور امام شافعی رح کے نزدیک پہلا سلام فرض ہے اور دوسرا سلام سنت ہے اور حضرت امام صاحب کے نزدیک دونوں واجب ہیں اور متعدد احادیث سے اسی مسلک کو ثابت فرمایا ہے۔

بَابُ السَّلامِ فِی الصَّلٰوۃِ ھَلْ ھُوَ؟

اس باب کے اندر مصنف رح تین مذہب ذکر فرماتے ہیں اول ائمہ ثلاثہ کا ان کے نزدیک سلام فرض ہے لہذا بغیر تسلیم نماز باطل ہوگی یہی لوگ مصداق ہیں فذھب قوم الخ دوسرا مذہب احناف کا ہے ان لوگوں کے نزدیک سلام کے بغیر نماز ہو جائے گی صرف مقدار تشہد بیٹھنا کافی ہے، البتہ سلام کو واجب کہتے ہیں اور تیسرا مذہب ایک جماعت سلف کا جس کے سربراہ حضرت علی رض ہیں ان لوگوں کے نزدیک مقدار تشہد قعود بھی فرض نہیں بلکہ سجدۂ آخیرہ سے رفع راس کے فوراً بعد نماز ہو جاتی ہے یہی لوگ وخالفھم فی ذلک آخرون کے مصداق ہیں اور پھر مصنف رح نے ہر ایک کے دلائل بیان فرمائے ہیں اور چونکہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے ساتھ شامل ہیں لہذا پہلی جماعت سلف کی جانب سے نظر قائم فرما کر احناف کی جانب سے جواب دیں گے جو احناف کے مذہب پر نظر کا متضمن ہوگا اور پھر ائمہ ثلاثہ کی جانب سے احناف کی نظر کا جواب دیں گے،

اب ہر ایک کی نظر کا خلاصہ سنو! جماعت سلف کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ نماز کے اندر جتنے ارکان ہیں مثلاً رکوع وسجود وقیام یہ سب حکم کے اندر برابر ہیں جو پہلے سجدہ کا حکم ہے وہی دوسرے کا ایسے ہی رکوع وقیام کا یہی حال ہے لہذا نظر کا تقاضہ یہ ہے کہ جو پہلے قعدہ کا حکم ہے کہ وہ سنت ہے یہی دوسرے قعدہ کا حکم ہے وہ صرف سنت کا درجہ ہے بغیر مقدار تشہد قعدہ کے بھی نماز ہو جائے گی۔ اس پر احناف کی جانب سے نظر قائم فرما کر جواب دیا کہ دونوں قعدوں میں فرق ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ کو بھول کر ترک کر دے تو اس کو قعدۂ اولیٰ کی طرف رجوع کا حکم نہیں ہے اور قعدۂ ثانیہ کو ترک کرے قیام الی الخامسہ کرے تو ان لوگوں کے نزدیک رجوع الی القعدہ آخرہ ضروری ہے معلوم ہوا کہ پہلا قعدہ سنت ہے اور دوسرا واجب ہے آگے چل کر ائمہ ثلاث کی جانب سے جواب دیا کہ حنفیہ کا یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ قعدہ اولیٰ کے اندر اس کا قیام کرنا ضروری یعنی فرض ہے اور قعدہ سنت ہے تو وہاں

---

[1] ذہب الجمہور الی الخ امانی ص۱۳۴ ج۴ [2] ایضاً [3] امانی ص۱۶۲ ج۴ قال القاضی والسلام عند جمہور الفقہاء من فروض الصلوٰۃ الخ [4] وذہب الیہ الثوریؒ والاوزاعیؒ الخ ص۱۶۲ ج۴ [5] بحر ص۳۰۱ ج۱

تحقیق تمام نیز فی نوافل جزء مز ۔ حرف السلام علیکم الخ بحر ص۳۰۱

رجوع کا حکم نہیں تاکہ فرض کو چھوڑ کر سنت کی طرف نہ آنا پڑے اور قعدۂ ثانیہ کی طرف رجوع کا حکم اسلئے ہے کہ قیام الی الخامسہ فرض نہیں ہے بلکہ نفل ہے اور قعدہ فرض ہے تو ترک فرض لازم آئے گا ،
واللہ اعلم بالصواب

بَابُ الوِتر

مصنف رح نے اس باب کے اندر شروع میں حدیث ذکر فرمائی جس کے اندر ہے کہ الوتر رکعتہ واحدۃ من آخر اللیل اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ وتر کی ایک رکعت ہے یہ مذہب ہے امام شافعی رح کا اور حنابلہ کا اور یہی لوگ فمن ذھب قوم الی ھذا کے مصداق ہیں اس کے برخلاف حنفیہ[1] کے نزدیک وتر میں تین رکعت ہیں اور درمیان میں سلام نہیں ہے اور مالکیہ[2] کے نزدیک بھی تین رکعت ہیں لیکن درمیان میں بعد الرکعتین سلام ہے ، یہی لوگ مصداق ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون الخ کے اور ان لوگوں نے شوافع کے مستدل کا جواب یہ دیا کہ الوتر رکعتہ من آخر اللیل کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ مع شفع قد تقدم ھذا اس صورت کے اندر استدلال حدیث سے ختم ہے بعدہ مصنف رح نے احناف کے مستدل پر مفصل اور نہایت طویل کلام کیا ہے اور ایک ڈھیر احادیث کا لگا دیا جن سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز تین رکعت ہے نیز تمام احادیث کے تتبع اور تلاش سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز کی قرأت کے بارے میں جو حدیث بھی وارد ہوئی ہے اس کے اندر تین رکعت کی قرأت کا ذکر ہے اور یہ واضح دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہے اب رہا اختلاف کہ درمیان میں تسلیم ہے کہ نہیں ؟ بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وتر کی دو رکعت پر سلام پھیر کر کلام فرماتے اور پھر وتر کی تیسری رکعت پڑھتے تھے اس سے مالکیہ حضرات کا استدلال ہے لیکن اول یہ کہ یہ ابن عمر رض کا فعل ہے دوسرے یہ کہ اس کے برخلاف ان کے والد ماجد حضرت عمر رض سے ثابت ہے کہ وہ درمیان میں سلام نہیں پھیرتے تھے نیز بعض روایات کے اندر صراحۃً وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل لا یسلم الا فی اٰخرھن ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رض نے درمیان میں سلام پھیرنے والے پر لعنت فرمائی ہے واجمع اکثر العلماء فی زمن عمر بن عبد العزیز ان الوتر ثلث لا یسلم الا فی اٰخرھن اور یہی فقہاء جمہور کا قول ہے بعدہٗ مصنف رح نے نظر کے ذریعہ وتر کے ثلث رکعت ہونے کو ثابت فرمایا اور خلاصہ نظر کا یہ ہے کہ وتر دو حال سے خالی نہیں یا فرض ہے یا سنت ہے اگر فرض ہے تو ہم نے دوسرے فرضوں کو دیکھا کہ کوئی فرض ایسا نہیں ہے کہ صرف ایک رکعت ہو ۔ لہذا وتر کی بھی ایک رکعت نہیں ہوسکتی بلکہ فرض یا تو دو رکعت ہے یا تین رکعت یا چار رکعت ہے اور چونکہ وتر کے دو رکعت اور چار رکعت نہ ہونے پر اجماع ہے لہذا تین رکعت ثابت ہوگئی

[1] وبہ قال ابن رباح رح وابن مسیب رح ومالک رح وابو ثور رح واسحاق رح امانی ص۱۹۰ ج۴ [2] ایضاً ص۱۹۱ ج۴ وبہ قال ثوری رح وابن المبارک رح
[3] وقال مالک فی الموطا الخ امانی ص۱۹۰ ج۴

اور اگر وتر نفل ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی نفل ایسی نہیں جس کی نظیر فرض میں ہو۔ اگرچہ اس کا عکس نہیں ہے کہ ہر فرض کی نظیر نفل میں ہو مثلاً صلوٰۃ جنازہ فرض ہے لیکن نفل نماز کوئی ایسی نہیں ہے جو جنازہ کی طرح پڑھی جائے لہٰذا جب ہر نفل کی نظیر فرض کے اندر ہے تو کوئی فرض بھی ایک رکعت کا نہیں ہے لہٰذا کوئی وتر نفل بھی ایک رکعت کی نہ ہوگی اور دو یا چار نہ ہونے پر اجماع ہے لہٰذا ثلث رکعت کا ہونا ثابت ہوگیا ۔

واللّٰہ اعلم بالصواب

باب القراۃ فی رکعتی الفجر

[۱] اس مسئلے کے اندر اختلاف ہے کہ فجر کی دو رکعت سنت کے اندر قرأت ہے یا نہیں؟ ایک طائفہ ظاہریہ و ابو بکر بن الاحم بن علیہ اور حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ بالکل قرأت نہیں ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی البتہ نہایت اختصار مستحب اور مسنون ہے اس میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ حضور صلے اللّٰہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ صبح کی سنتیں نہایت خفیف پڑھا کرتے تھے اور بعض روایات کے اندر ہے کہ حضرت عائشہ رضہ کو تردد رہتا تھا کہ سورۂ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں پڑھی۔ جمہورؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس سے استدلال کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ نماز کے اندر خفیف پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرأۃ بھی نہیں فرمائی ہے اور اس کے بعد متعدد احادیث سے ثابت فرمایا کہ آپؐ نے سنت فجر کے اندر قرأت فرمائی ہے اور روایات متعددہ کے اندر آپؐ کی ان سورتوں کا ذکر ہے جو آپؐ نے سنتوں کے اندر پڑھی ہیں وہ صریح دلیل ہے ؛

واللّٰہ اعلم بالصواب

باب الرکعتین بعد العصر

ظاہریہ کے نزدیک عصر کے بعد دو رکعت کا پڑھنا سنت ہے حضرت عائشہ رضہ کی روایت سے استدلال ہے کہ ماترک رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم الرکعتین بعد العصر قط اذ کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام، لیکن جب حضرت ابن عباس رضہ اور حضرت امیر معاویہ اور بعض دیگر صحابۂ کرام رضہ نے حضرت عائشہ رضہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا مجھے کچھ علم نہیں ام سلمہ رضہ سے پوچھو جب ام سلمہ رضہ سے پوچھا گیا تو انھوں نے

---

[۱] اوجز ص۱۵۷ج۱ [۲] ایضاً [۳] وذہب الجمہور الخ ص۱۵۸ج۱ [۴] اوجز [۵] حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک سنتوں کی قضاء مسنون ہے، احنافؒ کے نزدیک مسنون نہیں [۶] بذل ص۲۶۶ج۲ اسلام غفرلہ

فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی قبیلہ سے مال آیا تھا ظہر کے بعد آپ نے اس کو تقسیم کردیا جس کی وجہ سے ظہر کی نماز کے بعد کی سنتیں قضاء ہوگئیں ان کی قضاء آپ نے عصر کے بعد فرمائی ہیں ہم نے سوال کیا کہ ظہر کی رکعت اگر ہماری فوت ہو جاوے تو ہم بھی قضاء کر لیا کریں تو آپ نے منع فرمایا تو یہ دلیل ظاہر اور باہر ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور بعض روایات کے اندر آتا ہے کہ عبدالقیس کے قبیلہ کے آدمی آئے تھے ان کی وجہ سے ظہر کی نماز کے بعد کی سنتیں قضاء ہوگئیں بہرحال حضرت عائشہ رض کی تمام احادیث سے استدلال ختم ہے کیونکہ انھوں نے ان تمام کو حضرت ام سلمہ رض کے حوالے فرمایا اور انھوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے پڑھنے سے اس بناء پر حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اس شخص کو دُرّے مارتے تھے جو بعد العصر رکعتیں پڑھتے تھے اور جن روایات کے اندر لھما راکا صلاھما قبل ولا بعد وارد ہوا ہے وہ سب بین دلیل ہے۔

والله اعلم بالصواب

باب الرجل یصلی بالرجلین این یقیمھا؟

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ اگر دو مقتدی ہوں تو ان کو کہاں کھڑا کرے ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ پیچھے کھڑے ہوں گے امام ابو یوسف رح سے روایات مختلف ہیں (۱) اختیار ہے خواہ خلفہ اور یمینہ (۲) مثل جمہور کے (۳) ایک کو دائیں جانب دوسرے کو بائیں جانب گویا ان کے نزدیک وہ آدمی جماعت کے حکم میں نہیں ہے۔ حضرت امام طحاوی رح نے جمہور کے متعدد دلائل پیش فرمائے پھر نظر کے ذریعے ثابت فرمایا کہ دو آدمی جماعت کے حکم میں ہیں اول تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الاثنان وما فوقھما جماعۃ ہے اور علم فرائض کے اندر بھی دو کو تین کا حکم ملا ہے مثلاً ایک اخیافی بھائی یا ایک بہن ہے تو اس کو سدس ملے گا اور اگر دو ہیں یا اس سے زیادہ تو ثلث ملے گا۔ ایسے ہی علاتی بھائی ہے تو اگر ایک ہے تو اس کو نصف ملے گا اور اگر دو ہیں یا اس سے زیادہ تو دو ثلث ملیں گے اس سے معلوم ہوا کہ دو کا حکم حکم الثلاثہ ہے۔ حضرت الاستاذ محترم رح نے اس نظر پر نظر قائم فرمائی کہ یہ کہنا یہ دو تین کے حکم میں ہے یہ کلیہ نہیں ہے بلکہ بہت سی جگہ دو آدمیوں کا حکم مثل ایک کے ہے جیسے الراکب شیطان والرکبان شیطانان اگر عورت سفر کرے ایک دن کا تو محرم کی ضرورت ہے حد قذف کے اندر اگر ایک گواہی ہوے تو معتبر نہیں دو آدمی گواہی دیں تو معتبر نہیں بلکہ چار کا ہونا ضروری ہے، جو مشہور و متواتر کے اندر ایک آدمی اور دو کا ایک حکم ہے۔ یہ مثالیں سب ایسی نہیں کہ ان سے نظر پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔

والله اعلم بالصواب

لے کوکب صـ ۱۱۹ ج ۱۔ بذل صـ ۳۴۳ ج ۱۔

عہ مشکوٰۃ صـ ۹۷

باب صلوٰۃ الخوف کیف ھی؟

اس مسئلے کے اندر اختلاف ہے کہ صلوٰۃ الخوف مشروع ہے یا نہیں امام ابو یوسف رح کا قول جدید اور حسن ابن زیاد کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ خاص تھی اب جائز نہیں ہے اور آیت کریمہ کے اندر **واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ** میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خطاب ہے آپ کے علاوہ کے لئے مشروع نہیں ہے جماہیر امت کے نزدیک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ مشروع ہے اور سیکڑوں صحابہ کرام رضہ سے آپ کے بعد اس کا پڑھنا ثابت ہے پھر علماء کا اس کے اندر اختلاف ہے کہ کتنی رکعت اس کے اندر پڑھی جائیں گی امام طحاوی رح نے شروع باب کے اندر حدیث ذکر فرمائی ہے جس کے اندر ہے **ورکعۃ فی الخوف** اس سے اسحاق بن راھویہ وسفیان ثوری حضرت ابو ہریرہ رض حضرت موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہم نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز خوف کی ایک ہی رکعت ہے یہی لوگ **فذھب قوم الی ھذہ الاثار** کے مصداق ہیں جمہور فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف دو رکعت ہے اور اس حدیث کا مجاہد کا جواب یہ ہے **رکعۃ مع الامام ولیس فیہ نفی الثانیہ** جمہور کا استدلال قرآن پاک سے ہے. قولہ تعالیٰ **واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ** الخ اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک طائفہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور پھر دوسرا طائفہ اگر امام کے ساتھ پڑھے معلوم ہوا کہ امام دو رکعت پڑھے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی بھی دو رکعت پڑھیں گے کیوں کہ کوئی ایسی نماز نہیں ہے کہ اس کے اندر مقتدی کا فریضہ امام کے فریضہ سے کم ہو تو جب امام کا فریضہ دو رکعت ہے تو مقتدی کا فریضہ بھی دو رکعت ہوگا نیز اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ بھی ایک رکعت اور دوسری رکعت بطور نافلہ ہو تو یہ محال ہے کیوں کہ حدیث میں ثابت نہیں کہ ایک رکعت کے بعد آپ نے سلام فرمایا ہو تو بغیر قعود اور سلام کے دوسری رکعت آپ کیسے ملا سکتے ہیں، پہلی رکعت کے ساتھ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فریضہ دو رکعت تھا. جب دو رکعت ہونا ثابت ہو گیا تو اب امام طحاوی رح نے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا کہ کونسا طریقہ افضل ہے. سب سے پہلے امام طحاوی رح نے ائمہ ثلاثہ کے مذہب کو بیان فرمایا **وخالفھم فی ذلک آخرون** اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام جماعت کے دو ٹکڑے کرے ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھائے اور دوسری جماعت آئے اور امام ان کو دوسری رکعت پڑھائے اور پھر بیٹھ کر انتظار کرے اتنے میں جماعت ثانیہ اپنی دوسری رکعت کو پوری کرے اور پھر امام سب کے ساتھ سلام پھیرے البتہ مالکیہ حضرت یہ فرماتے ہیں کہ امام سلام کا انتظار نہ کرے بلکہ دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھا کر اپنی نماز

۱ے کوکب ص۲۱۵ ج۱ بذل ص۴۴۵ ج۲

پوری کرے اور سلام پھیر دے وہ جماعت اپنی رکعت پوری کرتی رہے گی اور ان ائمہ ثلاثہ میں مالکیہ کا استدلال محمد بن صالح بن خوات کی حدیث سے ہے امام طحاوی رہ نے ان کے مذہب کو نظر سے باطل کر دیا کہ اس صورت کے اندر لازم آوے گا کہ مقتدی اپنی نماز کو امام کی نماز سے قبل پوری کریں نیز اس حدیث کے خلاف حضرت ابو ہریرہ رض سے مروی ہے جب روایات کے اندر اختلاف ہو گیا تو جو روایات اوفق بالقرآن ہے وہ راجح ہو گی اور یہی ہمارا مذہب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ امام لشکر کے دو حصے کرے ایک کو دشمن کے مقابل میں کر دے اور ایک کو ایک رکعت نماز پڑھائے اور یہ طائفہ دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور دوسرا طائفہ آئے اس کو ایک رکعت پڑھا کر خود سلام پھیر دے اور یہ جماعت دشمن کے مقابل میں چلی جائے اور پہلا طائفہ اپنی بقیہ رکعت کو بغیر قراءت کے پوری کرے کیوں کہ وہ لاحق ہے اور پھر دوسرا طائفہ آ کر اپنی بقیہ رکعت کو قراءۃ کے ساتھ پوری کرے کیوں کہ وہ مسبوق ہے یہ مذہب ہے حنفیہ میں امام صاحب اور حضرت امام محمد رہ کا اس کے علاوہ مصنف رہ نے دو مذہب اور بیان فرمائے فذھب آخرون سے تعبیر کیا پہلے فذھب آخرون سے مراد حسن بصری رہ ہیں ان کے نزدیک امام دو رکعت ایک طائفہ کو پڑھا دے، اور ابو بکر رض کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ فریضہ دو مرتبہ پڑھا جا سکتا تھا یا وہ اس وقت کا واقعہ ہے یعنی حضر کا واقعہ ہے دوسرے آخرون سے مراد ابن لیلیٰ ہیں ان کے نزدیک صلوۃ خوف کی صورت یہ ہے کہ امام لشکر کی دو صفیں کرے اور رکوع تک دونوں شریک رہیں اس کے بعد صف اول سجدہ کرے اور صف ثانی کھڑی رہے جب صف اول سجدہ سے فارغ ہو جاوے تو صف ثانی سجدہ کرے پھر صف اول پیچھے ہو گی اور صف ثانی آگے جائیں اور وہ لوگ سب رکوع تک شریک رہیں اور سجدہ کے اندر صف اول آ جائے گی اور صف ثانی کھڑی رہے گی اور جب صف اول سجدہ سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے تو صف ثانی سجدہ کر کے قعود کرے اور پھر سب ایک ساتھ سلام پھیر دیں یہ صورت بھی آیت کریمہ کے خلاف ہے چنانچہ آیت میں اور اس حدیث میں ابو یوسف رہ نے جمع فرمایا کہ یہ صورت اس وقت ہے جب دشمن بالمقابل ہوں یعنی جب دشمن قبلہ کی جانب میں ہوں اور آیت کا محمل ہے کہ جب دشمن فی غیر القبلہ ہوں امام ابو یوسف رہ کا مذہب بھی یہی ہے اور امام طحاوی رہ نے اس کی تحسین کی ؛

هذه خلاصة الباب

باب الرجل یکون فی الحرب

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑائی کی حالت میں راکباً نماز جائز ہے یا نہیں ابن ابی لیلیٰ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ راکباً نماز جائز نہیں ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر نماز نہیں پڑھی ہے یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمۂ اربعہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک راکب اگر مقابلہ میں مشغول ہو تو پڑھ سکتا ہے اگر نزول ناممکن ہو اور اگر قتال کر رہا ہے تو اس حالت میں نماز نہ پڑھے کیوں کہ یہ عمل مفسدِ صلوٰۃ ہے لیکن ائمۂ اربعہ کے نزدیک ذراسی تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر راکب[1] مطلوب یعنی اس پر اگر کوئی حملہ کر رہا ہے تو وہ بالاتفاق نماز پڑھ سکتا ہے اور اگر راکب حملہ آور ہے تو ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک نماز پڑھنا مکروہ ہے یعنی ممنوع ہو لیکن امام مالکؒ کے نزدیک راکباً پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ فوت کا خوف ہو اور جمہور کا استدلال آیت کریمہ سے ہے فان خفتم فرجالاً اور رکباناً اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے اندر نماز یا تو رکباناً اس وجہ سے نہیں پڑھی کہ آپ قتال کر رہے تھے اس عمل کے ہوتے ہوئے نماز کیسے پڑھتے (۲) یا یہ کہ اس وقت تک آپ کو رکباناً پڑھنے کا حکم معلوم نہیں ہوا تھا بعد میں آیت فرجالاً اور رکباناً نازل ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ الاستسقاء کیفَ ھو؟

اس باب کے اندر دو مسئلے بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ صلوٰۃ استسقاء ہے یا نہیں ؟ دوسرے یہ کہ خطبہ قبل الصلوٰۃ ہے یا بعد الصلوٰۃ ہے ؟ شروع باب کے اندر متعدد احادیث مصنف رحؒ نے ذکر فرمائی ہیں ان کے اندر ہے کہ آپ نے استسقاء کے لئے صرف دعا کی ہے نماز نہیں پڑھی ہے یہی امام صاحبؒ کا مذہب ہے فذھب قوم کے مصداق ہیں. وخالفھم فی ذلک آخرون۔ اس کے اندر صاحبین رحؒ ائمۂ ثلاثہ رحؒ داخل ہیں ان کے نزدیک استسقاء کے اندر دو رکعتیں مسنون ہیں اس کو امام طحاوی رحؒ نے راجح قرار دیا ہے اور متعدد احادیث اس کی تائید میں ذکر فرمائیں۔ اس کے اندر خطبہ کا بھی صلوٰۃ کے ساتھ ذکر ہے، لیکن روایات کے اندر اختلاف ہے کہ خطبہ قبل الصلوٰۃ ہے یا بعد الصلوٰۃ امام اعظم رحؒ کے نزدیک خطبہ بالکل نہیں ہے، عمر بن عبد العزیز لیث ابن سعد حضرت عمر ابن الزبیر براء بن عازب زید بن ارقم رضی اللہ عنہم کے نزدیک خطبہ قبل الصلوٰۃ ہوگا۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ صاحبین رحؒ وغیرہ کے نزدیک خطبہ بعد الصلوٰۃ ہوگا اس کو امام طحاوی رحؒ نے راجح قرار دیا ہے اور نظر

---

[1] کوکب ص ۲۱۲ ج ۱، بذل ص ۲۱۳ ج ۲، [2] بذل ص ۲۵۹ ج ۲، العرف ص ۲۴۹

سے ثابت فرمایا کہ خطبۂ استسقاء کو خطبہ جمعہ و عیدین پر قیاس کیا لیکن خطبۂ عیدین فرض نہیں ہے اور خطبۂ جمعہ فرض ہے۔ اب خطبۂ استسقاء کو دیکھا تو وہ بھی فرض نہیں ہے تو وہ مشابہ ہوا صلوٰۃ عیدین کے خطبہ کے لہٰذا جیسے وہ بعد الصلوٰۃ ہے ایسے ہی خطبۂ صلوٰۃ استسقاء بھی بعد الصلوٰۃ ہوگا۔ تیسرے اختلافی مسائل کی طرف آخیر باب میں اشارہ فرمایا کہ اس نماز کے اندر قرأت بالجہر ہوگی یہی ائمۂ ثلاثہ، سامذہب ہے اور ہمارا مشہور قول ہے اور دوسرا قول ہے کہ سراً نماز پڑھی جائے گی چوتھا اختلاف ایک اور ہے جس سے مصنف رہ نے تعرض نہیں کیا فرمایا کہ ائمۂ ثلاث میں شوافع حنابلہ کے نزدیک عید کی طرح اس میں تکبیر زوائد ہیں اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر زوائد نہیں ہیں :-

واللہ اعلم بالصواب

بَابُ صَلٰوۃِ الْکُسُوفِ کَیْفَ ھُوَ؟

اس باب میں مصنف رہ نے پانچ مذاہب بیان فرمائے ہیں ترتیب وار سنو! (۱) ائمۂ ثلاث کے نزدیک دو رکعت کے اندر چار رکوع ہیں اور باب کے شروع میں چند احادیث استدلال کے اندر پیش فرمائی ہیں (۲) طاؤس اور حبیب بن ابی ثابت فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعت اور آٹھ رکوع اور چار سجدے ہیں یہی حضرت عباسؓ و حضرت علی رضہ سے مروی ہے (۳) تیسرا مذہب ہے حضرت قتادہ اسحاق ابن راہویہ ابن المنذر فرماتے ہیں کہ چھ رکوع ہیں دو رکعت کے اندر (۴) چوتھا مذہب حضرت سعید ابن جبیر اسحاق بن راہویہ محمد بن جریر طبری بعض شافعیہ کے نزدیک نہ رکعت کی تعیین نہ رکوع کی بلکہ جب تک انجلاء شمس نہ ہو تو دعا اور استغفار کرتے رہنا چاہیئے یہی مروی ہے حضرت ابن عمرؓ ابن عباسؓ مغیرہؓ، ابوبکرؓ، سمرہؓ، ابن عمروؓ، قبیصہ، نعمانؓ، بن بشیرؓ، ابن الزبیر، عبدالرحمٰن بن سمرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مصنف رہ نے احناف کے مذہب کے اثبات میں بہت سی احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

اب مذہب ۱؎ کے استدلال کا جواب سنیئے :۔ درحقیقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس نماز کے اندر تجلیات کا سامنا ہوا جس کی وجہ سے کبھی آگے کبھی پیچھے کبھی اوپر کو آپ ہوئے اس سے لوگوں نے رکوع سمجھا نیز حضرت عائشہ رضہ کی روایت ان لوگوں کا مستدل ہے اور وہ صف نساء کے اندر تھیں اور چونکہ نہایت طویل نماز تھی اور جب لوگوں کا ہجوم ہو تو ایسی نمازوں کے اندر گڑبڑ ہو جاتی ہے تو ممکن ہے کہ کسی نے پیچھے سے سمجھا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں ہوں گے اس نے رکوع کیا اس کو دیکھ کر پیچھے سب نے رکوع کر دیا ان احتمالات کی بناء پر استدلال صحیح نہیں۔ مذہب ۲ کا جواب یہ ہے کہ جو روایت ان کا مستدل ہے ایک تو اس وجہ سے صحیح نہیں کہ حبیب بن ابی ثابت کا لقاء طاؤس سے ثابت نہیں قال ابن حبان لیس بصحیح۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حبیب مدلس ہیں ان کا

۱؎ کوکب ص ۲۱۳ ج ۱، د ص ۲۱۴ بذل ص ۲۱۹ ج ۲، عمدۃ الحجر ص ۱۴۰ ج ۲

عنعنہ قابل قبول نہیں، تیسری وجہ یہ ہے کہ سلیمان احول ان کی مخالفت کرتے ہیں اور اس حدیث کو موقوفاً نقل کرتے ہیں دالتفصیل فی الاوجز ص۲۹۶ جلد ۲۔ چوتھے مذہب کا مستدل حضرت جابر کی روایت ہے کہ صلوٰۃ تجلی دوسری روایت میں ہے لونزلت الشمس فی الرکعۃ الرابعۃ ان سے معلوم ہوا کہ انجلاء شمس تک نماز ہوتی رہے گی ان کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایات کے اندر صلوٰۃ کے ساتھ استغفار دعاء وغیرہ کا امر ہے لہٰذا دو رکعت نماز سے فارغ ہو کر استغفار دعاء میں مشغول ہو جائے حتیٰ تنجلی الشمس دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قراءت صلوٰۃ کسوف کے اندر بالجہر ہے یا بالسر ہے مصنف رحمہ نے اسکو مستقل باب باندھ کر ثابت فرمایا اور خلاصہ یہ ہے ہر وہ نماز جو کبھی کبھی پڑھی جائے دواماً نہ پڑھی جائے اس کے اندر جہر ہو گا جیسے صلوٰۃ جمعہ صلوٰۃ عیدین اور صلوٰۃ استسقاء لہٰذا صلوٰۃ کسوف کا بھی یہی حال ہوگا۔ ہمارے یہاں صاحبین کے مذہب پر فتویٰ ہے اور یہی اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے ؛

واللہ اعلم بالصواب

باب[۱] التطوع باللیل والنہار کیف ھو؟

فذھب قوم اس کے مصداق حضرت امام مالکؒ ہیں[۱] ان کے نزدیک دن اور رات کے اندر جو نفل بھی پڑھی جائے گی دو رکعت پر زیادتی جائز نہیں ہے اور حدیث کا جملہ صلوٰۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ ان کا مستدل ہے اور چونکہ یہ کلام حصر کے ساتھ ہے تو گویا آپ نے فرمایا کہ صلوٰۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمہ ثلاثہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک دن کے اندر چار رکعت پڑھنا جائز ہے اس پر زیادتی مکروہ ہے اور رات[۲] میں آٹھ رکعت بتسلیم واحد پڑھ سکتا ہے اس سے زیادہ مکروہ ہے البتہ اختلاف افضلیت میں ہے حضرت امام صاحب کے نزدیک لیل و نہار کے اندر اربعہ رکعت فی تسلیم واحد مسنون ہے حنابلہ وشوافع کے نزدیک چار رکعت دن کے اندر اور دو دو رکعت رات کے اندر افضل ہے امام مالکؒ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ حصر باعتبار مادون الرکعتین کے ہے نیز ان روایات میں نہار کی قید خطاء ہے۔ قال دارقطنی وھم وقال النسائی خطاءٌ[۳] ؛

باب[۳] التطوع بعد الجمعہ کیف ھو؟

حضرت ابن مسعودؓ، علقمہؒ، نخعیؒ، ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ، اسحاق بن راہویہ کے نزدیک صلوٰۃ جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھے گا امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ چھ[۶] پڑھنا سنت ہے اگر چار پڑھے تب بھی اچھا ہے

[۱] وقال مالکؒ اوجز ص۳۱۱ ج۱ [۲] ایضاً ص۳۱۲ الا انہم کرہوا الزیادۃ الخ بذل ص۲۸۵ ج۲۔ [۳] کوکب ص۲۰۴ ج۱ بذل ص۱۹۹ ج۲

[۴] بحر ص۱۷۳ ج۲

یہی لوگ مصداق ہیں فذھب قوم کے وخالفھم فی ذٰلک آخرون کے اندر حضرت عمرؓ، عمران بن حصینؓ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ داخل ہیں البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام کے لئے گھر میں پڑھنا چاہیئے اور مقتدیوں کو اختیار ہے دوسرا قول حضرت امام شافعیؒ کا ہے کہ جتنا بھی نوافل بعد جمعہ پڑھے فھو احب الیّ۔ امام طحاویؒ نے آگے چل کر وخالفھم فی ذٰلک آخرون فرمایا اس سے مراد حضرت امام ابو یوسفؒ ہیں ان کے نزدیک چھ رکعت پڑھنا مستحب ہے اس کو امام طحاویؒ نے اختیار فرمایا ہے کہ دونوں قول کے اندر عمدہ جمع ہے گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے چار رکعت کا حکم فرمایا اور پھر دو رکعت کی اور زیادتی کر دی البتہ پہلے چار رکعت اور پھر دو رکعت پڑھی جاتی گی۔

واللہ اعلم بالصواب

باب الرجل یفتتح الصلوٰۃ قاعداً

اس باب میں بعض سلف کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز شروع کرے تو کھڑا ہو کر رکوع نہ کرے لیکن جمہور کے نزدیک جائز ہے البتہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی کھڑا ہو کر نماز شروع کرے تو بیٹھ کر پوری کرنا مکروہ ہے۔ جمہور کے نزدیک لاباس بہ ومنعہٗ اشھب المالکی" مسلم نووی ص۲۵۲ ج۱، اس کے بعد ایک مختصر باب ہے تطوع فی المسجد اس میں بھی سلف کی ایک جماعت کا اختلاف ہے ان کے نزدیک نماز نفل گھر کے اندر پڑھنی چاہیئے مسجد میں نہیں۔ جمہور کے نزدیک مسجد میں بھی پڑھ سکتا ہے البتہ بیوت کے اندر پڑھنا مستحب ہے

واللہ اعلم بالصواب

باب التطوع بعد الوتر

اس باب کے اندر چند احادیث ذکر فرما کر مسئلہ بیان فرمایا کہ ایک قوم کے نزدیک وتر کی نماز سب سے آخیر میں پڑھی جائیگی اور اگر وتر کے بعد کوئی نفل پڑھی تو نماز وتر ٹوٹ جائے گی۔ اور اعادہ کرنا پڑے گا۔ اس قوم کے مصداق حضرت علی رضؓ حضرت عثمان رضؓ ابن مسعود رضؓ اسحاق بن راہویہ وغیرہ ہیں اس کو فذھب قوم سے تعبیر فرمایا وخالفھم فی ذٰلک آخرون اس کے اندر جماہیر امت ائمہ اربعہ داخل ہیں ان کے نزدیک وتر کی نماز پڑھنے کے بعد نفل پڑھ سکتا ہے وہ وتر ناقض نہ ہوگی اور سیکڑوں کی تعداد میں احادیثیں ہیں جو ہمارے استدلال کے لئے کافی ہیں مصنفؒ نے دوسرا باب قرأۃ فی الصلوٰۃ اللیل کا منعقد فرمایا اس کے اندر فرمایا فذھب قوم اس میں سلف داخل

لہ بذل ج۲ ص۱۹۵ وعن ابی یوسفؒ الخ لہ وقال ابو یوسفؒ احب الیّ الخ بذل ج۲ ص۱۹۹ سہ کوکب ج۱ ص۱۴۸ اوجز ج۲ ص۴ سہ بذل ج۲ ص۲۶۸ د بذل ج۲ ص۳۳۵

عہ بحر ج۲ ص۴۹ عسہ ج۲ ص۶۳ ایضاً شہ اوجز ج۱ ص۴۴۵

ہیں اور ان کے بالمقابل جماہیر امت ائمۂ اربعہ داخل ہیں اور ان کے نزدیک صلوٰۃ فی اللیل کے اندر ہر طرح جہراً سراً قرأت پڑھنے کا اعتبار ہے۔ مصنف رح نے ان دونوں کے دلائل ذکر فرمائے اور جن روایات میں ذکر صرف رفع صوت کا ہے وہ خفض صوت کی نفی نہیں کرتی ان سے استدلال کرنا بیکار ہے،

واللہ اعلم بالصواب

باب جمع السور فی رکعۃ

مصنف رح نے پہلے احادیث ذکر فرمائی ہیں، جن میں ہے کہ ایک رکعت کے اندر ایک سورۃ پڑھنی چاہیئے۔ لہٰذا اگر ایک صورت پڑھی تو پھر دوسری سورۃ اسی کے ساتھ نہ ملائے فذھب قوم اس کے اندر شعبی رح ابو بکر بن عبد الرحمٰن ابن الحارث ابو العالیہ وغیرہ داخل ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس سے مراد ائمۂ اربعہ ہیں۔ ان کے نزدیک سورۃ ملائی جا سکتی ہے جتنی وہ چاہے اس کو اختیار ہے اس کے بعد مصنف رح نے چند احادیث ذکر فرمائی جن سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت کے اندر متعدد سورتیں پڑھی ہیں آگے چل کر مصنف رح نے نظر قائم فرمائی خلاصہ یہ ہے کہ ہر رکعت کے اندر سورۂ فاتحہ بھی دوسری سورتوں کے ساتھ ملا کر پڑھی جاتی ہے تو سورۂ فاتحہ بھی ایک سورۃ ہے جیسے اس کا ملانا جائز ہے ایسے ہی دوسری سورۃ کا ملانا جائز ہو سکتا ہے:

واللہ اعلم بالصواب

باب القیام فی شھر رمضان ھل ھو فی المنازل؟

اس باب کے اندر بیان فرمائیں گے کہ تراویح کا مسجد کے اندر پڑھنا اولیٰ ہے اور افضل ہے یا گھر کے اندر؟ امام شافعی رح امام احمد رح حضرت امام صاحب رح اور بعض مالکیہ کے نزدیک مسجد میں پڑھنا اولیٰ و افضل ہے یہی لوگ مراد ہیں فذھب قوم سے اور حضور ؐ کے قول سے استدلال ہے کہ من قام مع الامام حتی ینصرف کتب لہ قنوت بقیۃ لیلۃ[1] وکما قال علیہ السلام[2] وخالفھم فی ذلک آخرون اسی کے اندر حضرت امام مالک رح امام ابو یوسف رح اور بعض شوافع داخل ہیں ان کے نزدیک گھر کے اندر پڑھنا مستحب ہے اس طرف امام طحاوی رح کا میلان ہے اور امام مالک رح نے شرط لگائی ہے بشرطیکہ تعطل مسجد نہ ہو کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے موقع پر فرمایا تھا کہ خیر صلوٰۃ المرأۃ فی بیتہ الا المکتوبۃ[3] اور مصنف رح نے متعدد احادیث سے ثابت فرمایا اور اس کو ترجیح دی: واللہ اعلم

---

[1] ابو داؤد ص ۲۰۲ ج ۱، ۲۲۳ [2] ایضا ص ۲۸۸ ج ۱ [3] بحر ص ۶۵ ج ۲

بَابُ سُجُودِ التَّلَاوَةِ فِى المفَصَّلِ وغيرہ

حضرت امام صاحبؒ اور امام شافعی رح کے نزدیک قرآن پاک کے اندر کل چودہ[۱۴] سجدے[۱] ہیں فرق دونوں کے اندر یہ ہے سورۂ صٓ کا سجدہ ہمارے یہاں ہے شوافع انکار کرتے ہیں اور دو سجدے سورۂ حج کے اندر شوافع کے نزدیک سورۂ حج کے اندر ایک سجدہ ہے ایک نہیں ہے امام احمد رح سورۂ صٓ کے اندر ہمارے ساتھ ہیں اور سورۂ حج کے اندر دو سجدے ہوتے ہیں اس میں شوافع کے ساتھ ہیں لہٰذا ان کے نزدیک پندرہ سجدے[۲] ہیں حضرت امام مالکؒ کے نزدیک کل گیارہ سجدے ہیں سورۂ حج میں ان کے نزدیک ایک سجدہ ہے اور سورۂ صٓ میں بھی ایک ہی سجدہ ہے لیکن مفصل میں ان کے نزدیک سجدہ نہیں ہمارے نزدیک تین سجدے ہیں ایک[۳] سورۂ والنجم کے اندر ایک سورۂ انشقاق اور ایک سورۂ علق کے اندر اس آخری اختلاف کے لئے باب منعقد فرمایا ہے اور شروع باب کے اندر امام مالکؒ کے مستدل کو ذکر فرمایا کہ سورۂ والنجم کے اندر کسی نے بھی سجدہ نہیں کیا اور جب سورۂ نجم میں سجدہ نہ ہونا ثابت ہو گیا تو باقی دیگر سجود مفصل کے بھی اسی پر قیاس کئے جائیں گے فذهب قوم الیٰ هذا اس کے مصداق امام مالکؒ ہیں۔ وخالفهم فی ذلك آخرون اس کے اندر ائمۂ ثلاثہ داخل ہیں اور ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس کے اندر متعدد احتمالات ہیں ع۱ حضور علیہ السلام بغیر وضو کے تھے اس وجہ سے سجدہ نہیں فرمایا ع۲ وہ سجدہ آپ نے ایسے وقت تلاوت فرمایا کہ وہ مکروہ وقت تھا ع۳ ممکن ہے کہ سجود اور تلاوت کے اندر ان کی رائے یہ ہو کہ قاری کو اختیار ہے کہ خواہ کرے یا نہ کرے ع۴ اور یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ علی الفور واجب نہیں اس لئے اس وقت نہیں کیا جب یہ احتمالات پیدا ہو گئے تو احتمال واحد کو کیسے ترجیح دی جائے نیز ہزاروں روایتیں اس کے برخلاف موجود ہیں تو اس سے استدلال کیسے ممکن ہے بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے والنجم پڑھی اور سب نے سجدہ کیا دوسرا اختلاف جس کو امام طحاوی رح نے ذکر فرمایا وہ یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کا کیا حکم ہے امام صاحبؒ کے نزدیک واجب ہے ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے امام طحاوی رح کی بھی یہی رائے ہے۔ پھر نظر سے اس کو ثابت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دابہ پر آیت سجدہ تلاوت کرے اور پھر دابہ پر سجدہ کرتا ہے تو جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں حالانکہ جو شئی واجب ہوتی ہے اس کو دابہ پر نہیں پڑھا جا سکتا اس سے معلوم ہوا کہ یہ واجب نہیں ہے۔ احناف کی طرف سے جواب یہ دیا گیا کہ چونکہ آیت سجدہ اس نے دابہ پر پڑھی ہے تو سبب اس کا ناقص ہے لہٰذا اسی پر ادا کرے لیکن اگر کسی نے قرأت زمین پر کی ہے اور اب

عہ احناف رح کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب اور ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک مسنون ہے ۱۲ بذل ص۳۱۴ ج ۲ ۔ [۱] بذل ص۳۱۴ ج ۲ [۲] ایضاً وبہ قال اللیث رح واسحاق رح وابن وہبؒ وابن الحبیب مالکیؒ ۱۲ [۳] بذل ص۳۱۵ ج ۲ [۴] ایضاً ص۳۱۵ ج ۲

عہ احناف رح کے نزدیک

سجدہ تلاوت دابہ پر کرتا ہے تو کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے کیوں کہ سبب کامل ہے لہٰذا کامل طریقہ پر ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد مصنف رہ نے متعدد احادیث سے ثابت فرمایا کہ مفصل کے اندر سجدہ ہے اور پھر تنظیر قائم فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک کے اندر جتنی آیات میں سجود کا ذکر ہے وہ دو نوع کی ہیں بعض بصورت اخبار اور بعض بصورت امر ہیں تو جن آیات کے اندر امر ہے وہاں سجدہ نہ ہوگا۔ اور جن آیات کے اندر اخبار ہے وہاں سجدہ ہوگا اس قاعدہ کے بعد بعض آیات سجود کے اندر امر ہے اور پھر وہاں سجدہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث سے ان کا آیت سجدہ ہونا ثابت ہو گیا ہے لہٰذا ایسی صورت کے اندر آثار راجح ہوں گے مثلاً سورہ نجم ۲ اقرأ باسم ربك کے اندر آیت سجدہ کے اندر امر ہے مگر حدیث سے ثابت ہے اس لئے سجدہ ہوگا۔

بَابُ مَن یُصلی فی رحلہ ثُمَّ یُدرِكُ الجماعة

اس باب کے اندر مصنف رہ نے چند احادیث ذکر فرمائیں جن میں ہے کہ اگر آدمی اپنی نماز گھر پڑھے اور پھر مسجد میں اس کو نماز مل جائے تو صل معھم اور چونکہ یہ مطلق امر ہے لہٰذا تمام نمازوں کا یہی حکم ہے یہ مذہب ہے امام شافعی رہ کا اس کو فذھب قوم سے تعبیر فرمایا ہے جمہور کے نزدیک یہ امر مطلق نہیں بلکہ ہر وہ نماز جس کے بعد تطوع نہیں ہے ایسی ہی مغرب کی نماز اس کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے لہٰذا ان کے اوقات میں شریک نہ ہوں گی یہی لوگ وخالفھم فی ذلك آخرون کے اندر داخل ہیں اور امام شافعی رہ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات نہی کی وجہ سے مخصوص منہ البعض ہو جائے گی یا اس کو منسوخ فرمایا جائے اور روایات نہی ناسخ ہوں گی۔

بَابُ الصلوٰۃ عند خطبة الجمعة

حنابلہ رہ اور شوافع رہ کے نزدیک تحیۃ المسجد خطبہ کے وقت بھی پڑھی جا سکتی ہے اور یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں وخالفھم فی ذلك آخرون اس کے مصداق حنفیہ رہ اور مالکیہ رہ ہیں ان کے نزدیک خطبہ کے وقت کوئی نماز نہیں پڑھی جائے گی امام شافعی رہ کا استدلال باب کے شروع کی متعدد روایات سے ہے جن کے اندر حضور علیہ السلام نے سلیک غطفانی کو خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم فرمایا ہے ہماری طرف سے اس کے متعدد جوابات ہیں:-

(۱) حدیث سلیک خبر واحد ہے لہٰذا قرآن پاک اور احادیث کے مقابل ناقابل استدلال

ا بذل ص۳۳ ج۲، ۲ بذل ص۱۹۱ ج۲ وبہ قال الحسن البصری ۳ وقال القاضی وقال مالک رہ واللیث رہ وابوحنیفہ رہ والثوری رہ وجمہور السلف من الصحابۃ والتابعین رہ الخ بذل ص۱۹۱ ج۲۔

(۲) ۲ یہ حدیث منسوخ ہے اس وقت کی ہے جبکہ نماز کے اندر کلام جائز تھا تو نماز بطریق اولیٰ جائز تھی :

(۳) ۳ یہ حضرت سلیک کی خصوصیت ہے کیونکہ وہ صاحب ترتیب تھے اور فجر کی نماز ان پر واجب تھی اس کے اعادہ کا ان کو حکم دیا :

(۴) ۴ آپ نے خطبہ کو روک دیا تھا۔ اتنے میں انھوں نے اپنی نماز ادا فرمالی تھی :

(۵) ۵ چونکہ نہایت فقر میں مبتلا تھے تو آپ نے ان کو نماز کا حکم اس وجہ سے دیا کہ لوگ ان کی حالت کو دیکھ کر کچھ مال ان کو دیدیں اس کے بعد مصنف رح نے متعدد احادیث سے اپنے مذہب پر استدلال فرمایا اور پھر نظر قائم فرمائی کہ اگر کوئی شخص پہلے سے مسجد کے اندر بیٹھا ہوا ہو اور خطبے کے وقت وہ اپنی نماز شروع کرتا تو بالاتفاق مکروہ وممنوع ہے تو جیسے جالس فی المسجد کے لئے ممنوع ہے ایسے ہی داخل فی المسجد کا بھی یہی حکم ہوگا لہٰذا اس کے لئے بھی تحیۃ المسجد ممنوع ہے :۔

واللہ اعلم بالصواب

بَابُ داءِ سنّۃ الفجر بعد اقامۃ الصّلوٰۃ[۱]

فذھب قوم اس کے اندر حنابلہ، شوافع ظاہریہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ اگر صلوٰۃ فجر شروع ہو جائے تو سنت پڑھنا درست نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اذا اقیمت الصّلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ وخالفھم فی ذالک آخرون اس کے اندر احناف اور مالکیہ ہیں ان کے نزدیک تفصیل ہے امام مالک رح فرماتے ہیں کہ اگر پہلی رکعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو سنن نہ پڑھے ورنہ پڑھے امام صاحب رح کے نزدیک قول مشہور کی بنا پر ایک رکعت اگر مل جائے تب بھی سنت مؤکدہ نہ چھوڑے دوسرا قول یہ ہے کہ اگر تشہد فوت ہونے کا خوف نہ ہو تب بھی سنت پڑھے اور شوافع رح کے مستدل کا جواب یہ ہے۔ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ای مع الاختلاط فی الصف واما خارج المسجد فلا بأس بہ اس کے بعد مصنف رح نے متعدد احادیث سے مذہب احناف کو ثابت فرمایا اور پھر نظر قائم فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسی بات پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص گھر کے اندر سنت پڑھے اور اس کو معلوم ہے کہ امام فجر کی نماز پڑھ رہا ہے تو بالاتفاق جائز ہے لہٰذا جیسے داخل فی البیت کے لئے اس حالت میں نماز جائز ہے ایسے ہی داخل فی المسجد کے لئے بھی سنت فجر بھی جائز ہے

ھٰذا ھو مذھبنا۔

---

[۱] بذل ص ۲۶۲ ج ۲ اوجز ص ۴۵۳ ج ۱

بَابُ الصَّلٰوۃِ فِی ثَوْبٍ وَاحِدٍ [1]

مصنف رح نے متعدد احادیث کے ذریعے یہ ثابت فرمایا کہ فی ثوب واحد ایک کپڑے میں نماز پڑھنا ایسے شخص کے لئے جائز نہیں یعنی مکروہ ہے جو کہ دو کپڑوں پر قادر ہو آگے فرماتے ہیں فذھب قوم اس میں سلف کی ایک جماعت جس کے اندر حضرت ابن مسعود و ابن عمر علقمہ وغیرہ کا نام لیا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک جائز نہیں ان کان الثوب اوسع من اسماء الارض وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر حضرات ائمہ اربعہ جماہیر امت داخل ہیں ان کے نزدیک ثوبین کے ہوتے ہوئے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی کراہیت نہیں ہے اور آخر باب تک وہ تمام احادیث ذکر فرمائیں ہیں جو اس مذہب پر بین دلیل ہے البتہ اگر کپڑا وسیع ہے اشتمال کرے اور اگر ضیق ہے تو اتزار کرے ؛

واللہ اعلم بالصواب

بَابُ الصَّلٰوۃِ فِی اَعْطَانِ الْاِبِلِ

باب کی شروع احادیث سے معلوم ہوا کہ اعطان ابل کے اندر نماز نہ ہوگی اور مرابض غنم کے اندر نماز ہوجائے گی امام طحاوی رح فرماتے ہیں فذھب قوم اس کے اندر بعض ظاہر یہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک نماز ناجائز ہے اور اگر پڑھی تو نماز فاسد ہوگی امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یہی لوگ مصداق ہیں اس قوم کے وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمہ ثلاثہ داخل ہیں امام احمد رح کی دوسری روایت کے اعتبار سے داخل ہیں ان کے نزدیک نماز جائز ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے۔ ممامست النار والی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نفس ابل کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے منع فرمایا بلکہ وجہ ممانعت یا تجربہ کی بناء پر ہے کہ اصحاب ابل عام طور سے ابل کی آڑ میں بول و براز کرتے ہیں تو چونکہ وہ موضع نجاست ہے اس لئے منع فرمایا یا علت یہ ہے کہ اس جانور کے اندر غضب اور غصہ زیادہ ہوتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ ضرر پہونچائے۔ تیسری علت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خود ان جانوروں کا بول و براز وہاں زیادہ رہتا ہے اور عام طور سے اصحاب ابل وہاں صفائی نہیں رکھتے ہیں۔ بخلاف اصحاب غنم کے کہ وہ ان مواضع کی صفائی رکھتے ہیں پھر مصنف رح نے متعدد احادیث ذکر فرمائی ہیں اور نظر کے ذریعہ مذہب کو مضبوط فرمایا خلاصۂ نظر مرابض غنم کے اندر اتفاق ہے کہ نماز درست ہے اب ہم نے ابل اور غنم کے اندر غور کیا کہ ان کے اندر کوئی فرق ہے تو دیکھا کہ دونوں کے بیع کا حکم ایک ہے

---

[1] بذل ص۳۵۱ ج۱ اور ص۲ کوکب ص۱۶۲ ج۱ اور جز ص ۔ بذل ص۲۷۰ ج۱

دونوں کے لحم کا ایک حکم ہے دونوں کے بول کا ایک حکم ہے جب ان تمام احکام میں برابر ہیں تو نماز کے معاملے میں بھی برابر ہوں گے لہٰذا نماز جس طرح مرابض غنم میں درست ہے ایسے ہی نماز معاطن ابل کے اندر جائز ہوگی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

باب صلوٰۃ العید من الغد عند الفوت

اس کے اندر اختلاف ہے کہ عید کی نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟[1] امام محمدؒ امام اسحاقؒ سفیان ثوریؒ امام اوزاعیؒ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک قضاء اگلے روز تک ہوگی۔ یہی مذہب ہے امام ابو یوسفؒ کا اور ہمارے یہاں اسی پر فتویٰ ہے اور یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمہ ثلاثہ اور جماہیر داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک فوت ہو جانے کے بعد قضاء نہیں ہوگی ان لوگوں کا استدلال اس روایت سے ہے جس کے اندر ہے کہ جب شام کے وقت لوگوں نے شہادت دی تو حضورؐ نے روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کل عید گاہ کے اندر جانا تو حضورؐ نے یہاں خروج الی المصلی کا حکم تو دیا لیکن نماز پڑھنے کے متعلق حکم نہیں فرمایا تو ممکن ہے کہ جیسے حائضہ عورتیں اس طرح کے بعض اشخاص کو خروج الی المصلی کے لئے نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے آگے چل کر مصنفؒ نے نظر قائم فرمائی جس کا حاصل ہے کہ نماز دو نوع کی ہیں ایک جن کے لئے کوئی خاص وقت متعین نہیں بلکہ دائمی ہے ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اگر فوت ہو جائیں تو جب چاہیں قضاء کر سکتے ہیں جیسے صلوٰۃ خمسہ ہیں اور نوافل وغیرہ ہیں دوسری نوع وہ ہے جس کے لئے وقت خاص ہے ان اوقات میں اگر نماز چھوٹ جائے تو ان اوقات میں روزانہ ہوگی تو پھر اس کے لئے قضاء نہیں ہے جیسے صلوٰۃ جمعہ نماز عیدین بھی اسی قبیل سے ہے کہ یہ دائمی نہیں بلکہ اس کا خاص وقت ہے جیسے جمعہ کا لہٰذا جیسے جمعہ کی قضاء جائز نہیں ایسے ہی صلوٰۃ عیدین بھی ہیں ؛۔

واللہ اعلم بالصواب

باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ[2]

اس باب کے اندر حضرت اسامہ کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس کے اندر ہے کہ حضورؐ نے کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی یہ مذہب ہے مالکیہ اور بعض ظاہریہ اور حضرت ابن عباسؓ کا ان لوگوں کے نزدیک کعبہ کے

---

[1] بذل ج۲ ص۲۰۲ عہ احنافؒ کے نزدیک یہ واجب ہے اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک مسنون ہے ۱۲ وقال الثوریؒ وجماہیر العلماء فقالوا انہا سنۃ، الخ بذل ج۲ ص۲۰۲

[2] کوکب ص۱۴۲ ج۱، ۱۷

اندر نماز پڑھنی جائز نہیں یہی لوگ مصداق ہیں فذھب قوم الی ھذہ الآثار اور نظر بھی پیش کرتے ہیں کہ جب کعبہ کے اندر نماز پڑھی جائے گی تو بعض قبلہ کا استدبار ہوگا اور نماز کی حالت میں استدبار ہوگا اور نماز کے اندر استدبار قبلہ مفسد صلوٰۃ ہے وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمہ اربعہ داخل ہیں البتہ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق ہے یہی احناف کا قول ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نفل نماز جائز ہے فرض وتر جائز نہیں اور استدلال کرتے ہیں حضرت اسامہ سے ابن عباسؓ تو نقل کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں پڑھی اور ابن عمر نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے نماز پڑھی تھی جب تعارض ہوگیا تو اب دونوں سے استدلال ختم ہوگیا۔ اذا تعارض تساقط۔ اب حضرت بلالؓ کی روایت کو دیکھا ان کے اندر کوئی تعارض نہیں ہے تمام روایات سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے نماز پڑھی ہے یہی جمہور کے لئے کافی ہے۔ اب رہ گئی ان لوگوں کی نظر کا جواب وہ یہ ہے کہ ہم لوگ قبلہ کے تمام جہات کے استقبال کے مکلف نہیں ہیں بلکہ ہم جہۃ من الجہتین الکعبہ کے استقبال کے مکلف ہیں ایسے ہی کعبہ کے ہر جہت کا استقبال ممکن نہیں ہے ÷۔

یک باب ترک شدہ ست ا باب من صلے خلف الصف وحدہ ا

بَابُ طلوع الشمس فی صلوٰۃ الصبح

اس مسئلے کے اندر ائمہ ثلاثہ ایک طرف ہیں ان کے نزدیک فجر کی نماز میں اگر سورج نکل آئے تو نماز کو پورا کرے یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں اور باب کے شروع میں حدیث استدلال ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر احناف داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک اس شخص کی نماز فاسد ہو جائے گی اور روایات نہی سے استدلال ہے اور قوم کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات منسوخ ہیں روایات نہی سے یا یہ کہا جائے کہ ان روایات کا محمل وہ کافر ہیں جو اسلام لائیں یا جو زمانہ پائیں یا وہ صبیان ہیں جو نابالغ ہوں اور مصنفؒ نے متعدد احادیث سے ثابت فرمایا کہ اسوقت نماز پڑھنا ممنوع ہے اس کے بعد مصنفؒ نے نظر قائم فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جیسے فجر کی نماز طلوع کے وقت ممنوع قرار دیا ہے اسی طرح اور بھی اشیاء ہیں جو بعض اوقات کے اندر منہی عنہ ہیں اور ان کی نہی ایسی ہے خواہ تطوع ہوں یا فریضہ ہوں ایسے ہی فجر کی نماز عند طلوع الشمس منہی عنہ ہے اور قیاس کے مطابق عصر کی نماز بھی ایسی ہی ہونی چاہیئے عند غروب الشمس مگر وہاں وقت ناقص بھی ہوتا ہے اور جب وہی مسبب بنا تو ناقص ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور فجر کے اندر وقت کامل ہے لہٰذا ادا کرنا بھی کامل ضروری ہے ۔۔ واللہ اعلم بالصواب

ا ۵ ا د جز ص ۹ ۱۶ ا ر ہ ل ف ۲۳۴ ۱۶ ا ر

بَابُ الصَّلوٰۃ خلف المریض

صلوٰۃ صحیح خلف المریض امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نا جائز ہے اور نماز نہیں ہوگی لیکن مصنف رحؒ نے شروع باب میں چند احادیث ذکر فرما کر ثابت فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام سے متعلق فرمایا اذا صلی قعوداً فصلوا قعوداً اس سے استدلال کیا ہے امام احمدؒ اسحاق بن راہویہ اوزاعی ابن حزم بخاری وغیرہ نے کہ اگر امام مریض ہے اور بیٹھ کر اقتدار کرائے تو جائز ہے فذھب قوم سے یہی لوگ مراد ہیں وخالفھم فی ذٰلک آخرون امام ابوحنیفہ امام شافعی امام ابو یوسف رحؒ فرماتے ہیں کہ نماز مریض کے پیچھے درست ہے لیکن اگرچہ امام قاعداً پڑھے لیکن مقتدی قائماً نماز پڑھیں گے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل سے استدلال کرتے ہیں کہ آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے کھڑے ہو کر اقتدار کی اور جن روایات سے حنابلہ نے استدلال کیا ہے وہ آخری فعل سے منسوخ ہے اور پھر نظر قائم فرمائی کہ ماموم کا دخول امام کی نماز میں ان چیزوں کو واجب کرتا ہے جو دخول سے قبل ماموم پر واجب نہیں تھیں اور جو چیزیں اس پر پہلے سے واجب تھیں ان کو ساقط نہیں کرتا مثلاً ماموم مسافر ہے اور امام مقیم ہے تو جب نماز میں داخل ہو گیا تو دخول سے قبل دو رکعت اور اب چار رکعت پڑھنا واجب ہے اور اگر مسافر ہے اور مقتدی مقیم ہے تو نماز میں داخل ہونا اس کے چار رکعت کو ساقط نہیں کریگا جو پہلے سے اس پر واجب ہیں بس ایسے ہی تندرست مقتدی پر پہلے سے فرض ہے مریض امام کی نماز میں اس کا دخول اس فرض قیام کو ساقط نہیں کرے گا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ صَلوٰۃ الفرض خلف المتطوع

اس باب سے صلوٰۃ المفترض خلف المتنفل کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے حضرت معاذ رضؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں فذھب قوم کے مصداق امام شافعیؒ اور ان کے متبعین ہیں وخالفھم فی ذٰلک آخرون ان کے اندر ائمہ ثلاثہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک نماز نہیں ہوگی۔ حضرت معاذ رضؓ کی حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ معلوم نہیں کہ وہ نماز پڑھاتے تھے وہ نافلہ ہوتی تھی ممکن ہے اول نفل اور ثانی نماز جو قوم کو پڑھاتے تھے وہ فریضہ رہتی ہو۔ جن روایات کے اندر ہے ھی لھم تطوع ولھم فریضۃ اول تو یقین نہیں کہ حضرت معاذ رضؓ کا مقولہ ہے ممکن ہے کہ زھری وغیرہ میں سے کسی کا مقولہ ہو اور اگر

لہ بذل ج۱ ص۳۳۳ ۲ لہ ایضاً ۳ لہ ایضاً کوکب ج۱ ص۱۶۳ ۴ لہ بذل ج۱ ص۳۳۳ ۵ بہ قال احمدؒ فی روایۃ ۶ لہ ایضاً

ان کا مقولہ مان بھی لیں تو پھر یقین نہیں ہے کہ انھوں نے حضرت سے پوچھ کر ایسا کیا ہو ممکن ہے ان کا اجتہاد ہو۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس فعل کا علم تھا تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ فریضہ دن میں دو مرتبہ پڑھا جاتا تھا نیز یہ بھی علم نہیں کہ حضور کو اگر علم ہو بھی گیا تھا تو بھی انہوں نے ایسا کیا ممکن ہے کہ اس کے بعد رک گئے ہوں اتنے۔ احتمالات کے بعد اس روایت سے استدلال بغیر ممکن ہے اس کے بعد مصنف نے نظر قائم فرمائی کہ امام کی نماز مقتدیوں کے نماز کی اصل ہے یعنی امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے لہٰذا جب وہ اصل ہے تو مقتدیوں کے نماز کے خلاف نہیں ہونی چاہیے اب نماز من حیث ھی ھی نفل ہے فرضیت ایک وصف زائد ہے تو ہر فرض نماز کے اندر دو چیزیں ہوتی ہیں ایک وصف فرضیت اور ایک من حیث ھی ھی اس کا نفل ہونا۔ اب اگر مقتدی فرض پڑھتا ہے اور امام نفل تو نفلیت کے اندر دونوں مشترک ہیں مگر مقتدی نفس فرضیت میں پڑا ہوا ہے لہٰذا فرض کے اندر امام کے مخالف ہونے کی وجہ سے فرض درست نہ ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب

بَابُ التوقیت فی القرأۃ فی الصلوٰۃ

فذھب قوم اس سے ائمہ ثلاثہ مراد ہیں ان کے نزدیک صلوٰۃ عیدین اور صلوٰۃ جمعہ کے اندر قرأت موقت اور متعین ہے وخالفھم فی ذٰلک آخرون اس سے احناف مراد ہیں ہمارے نزدیک بغیر مواظبت کے ایسا کرے تو مسنون ہے مواظبت درست نہیں ہے اور احادیث کے اندر مختلف سورتوں کا پڑھنا وارد ہوا ہے۔ یہی ہماری دلیل ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

باب صلوٰۃ المسافر

مصنف رح نے حضرت عائشہ رض عنہا کی حدیث ذکر فرمائی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں قصر اور اتمام دونوں کیا چنانچہ حضرت عائشہ رض کے نزدیک سفر کے اندر قصر جائز نہیں ہے خائف کے لئے امام مالک رح نزدیک قصر سنت ہے امام شافعی رح کے نزدیک قصر رخصت ہے اور اتمام افضل ہے۔ امام صاحب اور امام احمد بن حنبل رح کے نزدیک قصر واجب ہے فذھب قوم اس سے بعض شوافع مراد ہیں ان کے نزدیک اختیار ہے کہ مسافر خواہ قصر کرے یا نہ کرے حضرت عائشہ کی حدیث

۱؎ بذل ص۱۲۳ ج۲، ۲؎ ص۲۲۹ ج۲،

مستدل ہے ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ قصر اور اتمام کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے باوجود نماز کے قصر کرنے کے رکوع وسجود پورا پورا فرماتے تھے۔ وخالفهم فی ذٰلك آخرون اس کے اندر احناف اور حنابلہ وغیرہ داخل ہیں اور خود حضرت عائشہ رض کی حدیث سے ہی استدلال پکڑتے ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم دو رکعت صلوٰۃ پڑھا کرتے تھے اور آیت کے اندر لیس علیکم جناح ان تقصروا۔ اس کا استعمال جیسے توسع بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے ایسے ہی ایجاب کے اندر استعمال ہوتا ہے اور سیکڑوں شواہد اس پر پیش فرماتے ہیں اور اس کے بعد متعدد احادیث بطور استدلال پیش فرمائی ہیں۔ اور پھر نظر سے ثابت فرمایا خلاصہ نظر جس نماز کے اندر پڑھنے اور نہ پڑھنے کا اختیار ہے وہ تطوع کہلاتی ہیں اور جس نماز کا پڑھنا ضروری ہے وہ تطوع نہیں کہلاتی ہیں، اور مسافر کی پہلے دو رکعت مجمع علیہ ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے اور آخر کی دو رکعتوں میں اختلاف ہے، اس کا پڑھنا ایک قوم بالکل ناجائز کہتی ہے اور دوسری جماعت کے نزدیک ان دو رکعتوں میں اختیار ہے پڑھے یا نہ پڑھے اور ہر صورت کے اندر ایک صفت تطوع کی ہے تو معلوم ہوا کہ آخری دو رکعت میں اختیار ہے پڑھے یا نہ پڑھے آخری دو رکعت تطوع ہے اور شروع کی دو رکعت فرض ہے کہ مقیم کی چار رکعت فرض اور ایسے ہی مقیم کو چار رکعت پر نفل کی زیادتی جائز نہیں۔ ایک ہی سلام سے اب یہ کہ جن صحابہ کرام سے سفر کے اندر اتمام ثابت ہے ان کی مختلف تاویلات ہیں۔ مثلاً لوگوں نے اتمام اور قیام کی نیت کی تھی یا اس وجہ سے کہ جو لوگ باہر سے آئے ہوئے تھے تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ فریضہ دو ہی رکعت ہے وغیرہ وغیرہ۔

بَابُ الوتر علی الراحلة فی السفر

فذهب قوم اس کے مصداق حضرات ائمہ ثلاثہ ہیں ان لوگوں کے نزدیک چونکہ وتر واجب نہیں ہے۔ لہٰذا راحلہ پر پڑھ سکتا ہے اور باب کے شروع احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ کہ حضور علیہ السلام نے راحلہ پر وتر کی نماز ادا فرمائی وخالفهم فی ذٰلك آخرون اس سے احناف مراد ہیں ان لوگوں کے نزدیک وتر واجب ہے لہٰذا راحلہ پر پڑھنا جائز نہیں ہے احناف متعدد احادیث پیش کر کے ثابت فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہے اور آپ نے وتر راحلہ سے اتر کر پڑھی اور مخالف روایات کا جواب یہ ہے کہ وتر کی ایجاب سے قبل کا واقعہ ہے [2] عذر پر محمول ہے پھر نظر قائم فرمائی وہ یہ کہ جو نماز کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے وہ راحلہ پر جائز نہیں اور وتر بغیر عذر کے کھڑے ہو کر پڑھنا جائز نہیں ہے لہٰذا راحلہ پر پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

---

[1] بذل ج۲ ص۲۲۱، اوجز ج۱ ص۳۴۰ عہ اوجز ج۱ ص۳۴۰ استدل بہ من قال ان الوتر سنۃ الخ [2] بذل ص۲۲۱ ج۲، اوجز ص۳۴۰ ج۱

بَابُ الشك فی الصّلوٰة

شروع باب کے اندر متعدد احادیث ذکر فرمائی ہیں جن کے اندر ہے کہ اگر سہو ہو جائے کہ کتنی نماز پڑھی ہے تو بس سجدے کرے اور یہ کافی ہے یہ مذہب ہے حسن بصری رح کا اور جماعۃ من السلف کا اور یہی حضرات مصداق ہیں فذھب قوم کے وخالفھم فی ذالک آخرون اس سے مراد ائمہ ثلاثہ ہیں ان کے نزدیک ایسی صورت میں بناء علی الاقل کرے گا کیوں کہ یہی متعین ہیں اور متعدد احادیث سے اس مذہب کو مبرہن فرمایا اور اول فرقہ کے مستدل کا جواب یہ دیا کہ اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ بناء علی الاقل کرے اور ہم نے جو روایات پیش کی ہیں ان میں زیادتی ہے لہٰذا اولیٰ منہا وقال آخرون اس کے اندر حضرت امام صاحب صاحبین رحمہم اللہ داخل ہیں اور امام احمد رح بھی ایک روایت کے اعتبار سے داخل ہیں لیکن ان کے یہاں مشہور مسلک یہ ہے کہ بناء علی الاقل کرے اور امام تحری کرے گویا دونوں نوع کی روایات میں جمع کی صورت ہے بہر حال احناف کے نزدیک تحری کر کے ظن غالب پر عمل کرے اور پھر سجدہ سہو کرے اور اگر ظن غالب نہ ہو تو پھر بناء علی الاقل کرے اور احادیث کا ایک ذخیرہ استدلال کے لئے پیش فرما کر نظر قائم کر کے ثابت فرمایا کہ مثلاً نماز ظہر میں شک پیدا ہو گیا تو چار کا پڑھنا ضروری ہو گیا اور یقین حاصل ہو گا جبکہ تحری کرے ظن غالب پر عمل کرے اور اس طرح نہ ہونے پر بنا علی الاقل کرے ۔

بَابُ الکلام فی الصّلوٰة

اس مسئلے کے اندر اختلاف ہے کہ نماز کے اندر کلام مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں؟ حضرت امام مالک کے نزدیک اگر کلام قلیل ہے اور اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہے تو جائز ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کلام قلیل ہے اور نسیاناً ہے تو جائز ہے اور مفسد صلوٰۃ نہیں ان دونوں حضرات کو فذھب قوم الیٰ ھٰذا سے تعبیر کیا گیا اب باب کے شروع میں متعدد احادیث ذوالیدین کی ذکر فرمائی ہیں جس کے اندر کلام کیا گیا تھا قلیل تھا اور اس سے اصلاح صلوٰۃ مقصود تھی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ لم انس ولم تقصر۔ یہ آپؐ کی جانب سے نسیاناً تھا۔ کیوں کہ آپؐ کا گمان تھا کہ میں نماز میں نہیں ہوں وخالفھم فی ذالک آخرون۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نماز نام ہے تسبیح وتہلیل وتحمید وغیرہ کا اور بعض روایتوں کے اندر ہے کہ ایک مرتبہ جب تمام صحابہ رض کسی غزوہ سے تشریف لا رہے تھے اور نماز کے اندر سلام کیا تو حضورؐ نے جواب نہیں دیا۔ کہ سلام وکلام سے ممانعت ہو گئی ہے اس قسم کی متعدد احادیث ہیں

ل بذل ص۱۴۶ ج ۲، ص۱۴۸ اوجز ص۳۳۲ ج ۱ ۲ بذل ص۱۹ ج ۲

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام وکلام نماز کے اندر جائز تھا لیکن بعد میں ممنوع ہوگیا اور منسوخ ہوگیا اور ذوالیدین کا واقعہ بھی اسی نسخ میں داخل ہیں نیز حضور اکرم ؐ نے فرمایا ویسبح الرجال ویصفق النساء دلیل بین ہے اور کلام قلیل بھی اصلاح صلوٰۃ کے لئے مفسد ہے ورنہ قلیل کلام کے ذریعے بھی امام کی رہبری کی جاسکتی ہے۔ سبحان کہنے کی کیا ضرورت ہے نیز حضرت عمرؓ ذوالیدین کے واقعہ میں موجود تھے اور اس کے بعد اپنی خلافت کے زمانے میں کلام کی وجہ سے نماز کا اعادہ فرمایا یہ بھی نسخ کی بین دلیل ہے بہر حال آپ کا مستدل منسوخ ہوگیا تو اب استدلال صحیح نہیں ہے اس پر ان لوگوں نے اشکال کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ اس واقعہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ صلی بنا ؑ اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ متاخر الاسلام ہیں لہٰذا اس کو منسوخ کیسے مانا جائیگا جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ اس کے اندر موجود ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ اس واقعہ کے وقت موجود نہیں تھے کیونکہ واقعہ ذوالیدین کے ساتھ پیش آیا جو غزوۂ احد کے اندر شہید ہوگئے اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ غزوۂ احد کے بعد اسلام لائے اور ان کے صلی بنا ؑ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صلی بالمسلمین وھذا جائز بالغۃ والصرف۔ اس کے بعد مصنف رحؒ نے نظر قائم فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اشیاء عبادت کے اندر ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے کرنے سے عبادت ختم ہو جاتی ہے خواہ ان کو عمداً کیا جائے یا نسیاناً اور کلام بھی اگر عمداً ہو تو مفسد صلوٰۃ ہے لہٰذا سہواً بھی مفسد صلوٰۃ ہوگا۔ جیسے اور تمام اشیاء عمداً وسہواً برابر ہیں مثلاً طلاق وغیرہ۔

واللہ اعلم بالصواب

بَابُ الاشارۃ فی الصلوٰۃ[1]

روایت کے اندر آتا ہے التسبیح للرجال والتصفیق للنساء اس سے بعض ظاہریہ نے استدلال کیا کہ نماز کے اندر اشارہ کرنا جائز نہیں ہے اور وہ مثل کلام کے ہے اور ممنوع ہے لہٰذا اشارہ بھی ممنوع ہے یہی طائفہ مصداق ہے فذھب قوم کا اس کے برخلاف جمہور کے نزدیک اشارہ نماز کے لئے قاطع نہیں ہے اور متعدد روایات سے ثابت کیا ہے کہ آپ نے نماز کے اندر اشارہ فرمایا ہے ہاں البتہ جو اشارہ سلام کے جواب کے لئے ہو وہ جائز نہیں ہے کیونکہ روایات کے اندر مخالفت ہے وخالفھم فی ذلک آخرون سے انھیں لوگوں کو تعبیر فرمایا ہے اور نظر کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اشارہ قاطع نماز نہیں ہے کیونکہ اشارے کے اندر حرکت عضو ہوتی ہے تو جیسے نماز کے اندر اور تمام حرکات قاطع صلوٰۃ نہیں ایسی ہی حرکت ید کی بھی ہے

واللہ اعلم بالصواب

---

[1] کوکب صفحہ ۱۳۶ ج ۱

باب المرور بین یدی المصلی

فذهب قوم الی هذا الآثار[1] اس کے اندر حضرت امام حسن بصریؒ امام احمد ابن عباسؓ وغیرہ سب داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک کلب سور مرآۃ حمار قاطع صلوٰۃ ہے لیکن حضرت امام احمدؒ صرف کلب اور سور کو قاطع صلوٰۃ مانتے ہیں اور باب کے شروع احادیث سے استدلال کیا ہے وخالفھم فی ذلک آخرون[2] اس کے اندر ائمہ ثلاثہ داخل ہیں ان کے نزدیک کوئی شئی بھی قاطع نہیں ہے حدیث کا ایک ذخیرہ شاہد عدل ہے اما وجہ من طریق النظر حاصل اس کا یہ ہے کہ کلب وغیرہ ان دوسرے کے حکم میں برابر ہیں یا نہیں تو معلوم ہوا کہ حرمت لحم کے اندر دونوں برابر ہیں دونوں کے سور کا ایک ہی حکم ہے لہٰذا قاطع صلوٰۃ کے اندر بھی کلب سور وغیرہ مثل غیر اسود کے ہوگا وھذا المذھب الجمھور۔

بَابُ قضاءِ الصَلوٰۃ

سلف صالحین[3] کا ایک طائفہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنی بھول جائے یا سو جائے تو جب قضاء کرے تو اگلے روز اس نماز کی اسی وقت دوبارہ قضاء کرے باب کے شروع کی وہ حدیثیں ان کا مستدل ہیں ان لوگوں کو مصنفؒ نے فذھب قوم سے ذکر فرمایا وخالفھم فی ذلک آخرون جماہیر امت کے نزدیک اس کی قضاء صرف ایک مرتبہ ہے جب یاد آجائے تب پڑھلے دوبارہ اگلے روز اس وقت کی قضاء نہیں ہے واما من طریق النظر حاصل یہ ہے کہ نماز کی طرح روزے کے بھی اوقات متعین نہیں تو اگر روزے اپنے وقت سے قضاء ہو جائیں تو اس کی قضاء صرف ایک مرتبہ ہے قضاء کے بعد دوبارہ قضاء نہیں ہے یہی حال نماز کا ہوگا جبکہ ان کے نزدیک ایک مرتبہ قضاء کرلی تو اب دوبارہ ان کی قضاء خلاف قیاس وعقل ہے لہٰذا یہ قول معتبر نہ ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب

باب دباغ الجلد المیتہ[4]

مصنفؒ نے اس باب کے اندر چند احادیث ذکر فرمائیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جلد میتہ سے انتفاع جائز نہیں ہے چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جلد میتہ ناپاک ہے مدبوغ ہو یا غیر مدبوغ ہو

---

[1] وقد ذہب الی ذلک جماعۃ الخ بذل ص۳۔۱۶ ، [2] ایضاً ص۳۷۶۔۱ ، [3] بذل ص۲۵۴۔۱۶ ، [4] مسلم ص۱۵۹

یہی جلد کلب کے بارے میں امام شافعیؒ کا ہے یہی لوگ مصداق ہیں فذھب قوم کے اس کے برخلاف حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جلد میتہ بعد دباغت پاک ہو جاتا ہے اس سے انتفاع جائز ہے یہی لوگ مراد ہیں وخالفھم فی ذٰلک آخرون سے اور فریق اول کی احادیث سے اپنے مذہب کا جواب دیا کہ جواب یہ ہے کہ وہ جلد غیر مذبوح پر محمول ہے بعدہٗ مصنفؒ نے متعدد احادیث سے اپنے مذہب پر استدلال فرمایا اما من طریق النظر خلاصہ کلام یہ ہے کہ اشیاء پر احکامات کا ترتب حالات کے اعتبار سے ہے، اور بعد دباغت آخری ہے اور پہلی صورت میں اس کا حکم نجاست کا ہے اور دوسری صورت میں اس کا حکم طہارت کا ہے :. واللہ اعلم بالصواب ،

باب کون الفخذ عورۃ

اس باب کے اندر مصنفؒ نے ایک حدیث ذکر فرمائی جس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ فخذ ستر میں داخل نہیں فرماتے ہیں فذھب قوم الیٰ ھٰذا اس کے اندر ظاہریہ داخل ہیں ائمۂ اربعہ کے نزدیک فخذ ستر میں سے ہے اور مابین السرۃ الی الرکبۃ عورت ہے اور اس پر متعدد احادیث ذکر فرمائیں اور اس کے ساتھ استدلال کا جواب دیا جو روایات انہوں نے پیش کی دوسرے طریق سے اس کے اندر راوی نے کشف فخذین کا ذکر نہیں فرمایا جب دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا تو اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ اب دوسری روایت کو دیکھا جائے گا ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ فخذین عورت ہے یہی لوگ مصداق ہیں وخالفھم فی ذٰلک آخرون کے مصنفؒ نے نظر قائم فرمائی کہ بالاتفاق فخذ ستر میں داخل ہے ہم نے دوسرے احکامات کی طرف غور کیا تو معلوم ہوا کہ فخذ کے احکام ذکر کے احکام کی طرح ہیں۔ لہٰذا حکم کشف میں دونوں برابر ہیں :.

باب فضل طول القیام او کثرۃ السجود

مصنفؒ نے اس باب کے اندر یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ نوافل میں طویل قیام افضل ہے یا کثرت رکوع و سجود حضرت ابن عمرؓ اور ایک جماعت کے نزدیک قیام افضل ہے اور اس باب کی پہلی حدیث سے استدلال ہے یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں ائمۂ ثلاثہ اور جمہور امت کے نزدیک طویل رکوع و سجود افضل ہے یہی لوگ مراد ہیں وخالفھم فی ذٰلک آخرون سے اس کے اندر مستدل کا جواب یہ ہے کہ اس سے صراحۃً کثرت رکوع و سجود کی فضیلت طویل قیام پر معلوم نہیں ہوتی

عہ غیر مذبوح۔ ۔ شہ کوکب صفحہ ۱۴۱ ج ۱ ار علہ ہدایات صفحہ ۲۳۵ ج ۱ عہ بحر صفحہ ۲۶۸ ج ۱

بلکہ رکوع وسجود کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے اکثر اس کے ساتھ طویل قیام ہوگا اور زیادہ ثواب ملے گا۔ اس کے علاوہ یہاں تیسرا مذہب امام احمد بن حنبلؒ کا ہے کہ اس کے اندر توقف کرنا چاہیئے۔ اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ دن کے اندر اکثر رکوع وسجود اور رات کے اندر طویل قیام افضل ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

کتاب الجنائز

باب المشی فی الجنازۃ

شروع باب کے اندر چند احادیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے اندر سرعت[1] افضل ہے۔ یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہؒ کا اور یہی مذہب ہے ان کے متبعین کا یہی لوگ مذہب قوم کے مصداق ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمہ ثلاثہ اور جمہور داخل ہیں ان کے نزدیک مشی[2] معتاد افضل ہے اور باب کے اخیر تک متعدد احادیث استدلال کے اندر پیش فرماتے ہیں ابن حزم ظاہری ... کہ سرعت مشی واجب ہے قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے سرعت مشی کو افضل قرار دیا ہے ان کی مراد مشی معتاد پر زیادتی ہے اور جو لوگ سرعت کو مکروہ سمجھتے ہیں وہ لوگ سرعت کو مکروہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کے اندر افراط کو مکروہ سمجھتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ اختلاف صرف لفظی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

باب المشی امام الجنازۃ اوخلفھا

ائمہ ثلاثہ[2] کے نزدیک جنازے کے آگے چلنا افضل ہے امام ابو حنیفہؒ[3] کے نزدیک جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ جنازے کے آگے چلتے تھے۔

---

[1] اوجز صـ۵۳۱ ج ۲ [2] اوجز صـ۴۳۶ ج ۲ [3] ایضاً وبہ قال الاوزاعیؒ وابراہیم النخعیؒ والثوریؒ واہل الظاہرؒ اوجز صـ۴۳۶ ج ۲

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا چلنا ایک عارض کی وجہ سے تھا وہ یہ کہ وہ اکابر تھے اگر جنازے کے پیچھے چلتے تو اور لوگ ان کے احترام میں جنازے سے پیچھے رہتے تو جنازہ کا اٹھانے والا اس صورت میں کون ہوتا نیز متعدد احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مشیٔ خلف الجنازہ صحابہ کرام رض کے زمانے میں عام تھا ان لوگوں کا طریقہ تھا ایک مستدل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت زینبؓ کے جنازے میں لوگوں کو آگے چلنے کا حکم دے رہے تھے اس سے بھی فضیلت ثابت ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ جنازے کے پیچھے عورتیں تھیں اور حضرت عمرؓ نے رجال ونساء کی مخالطہ کو مکروہ سمجھا اس لئے آگے چلنے کا حکم دیا نیز نظر کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جیسے صلوٰۃ کے اندر جنازہ سب سے آگے ہوتا ہے مشیٔ کے اندر بھی لوگوں کے آگے ہو اور ایک جواب ان کے استدلال کا یہ ہے کہ وہ احادیث حضرت سالم پر موقوف ہیں ۔[1]

واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ القِیَامِ لِلجَنَازَةِ

شروع باب کے اندر متعدد احادیث سے ثابت ہوا کہ جب جنازہ گذرے تو کھڑا ہو جانا چاہئے امام احمد اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے اور فذھب قوم کے اندر یہی لوگ داخل ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمہ ثلاثہ داخل ہیں اور ان کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا قیام کسی عارض کی وجہ سے تھا مثلاً اس جنازہ میں یہودی کے اندر بو وغیرہ آرہی تھی اس کی وجہ سے جنازہ کے ساتھ ملائکہ ہوتے ہیں ان کے احترام میں قیام فرمایا[2] نیز جن روایات کے اندر آپ نے قیام کا امر فرمایا وہ منسوخ ہیں ! مصنف رہ نے ایک باب اور فرمایا باب الرجل یصلی علی المیت این ینبغی ان یقوم منہ باب کے شروع میں ایک جماعت سلف نے استدلال فرمایا کہ مرد وعورت کے وسط میں کھڑے ہو کر امام نماز جنازہ کو پڑھائے فذھب قوم کے اندر یہی داخل ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس سے احناف مراد ہیں ان کے نزدیک سینہ کے مقابلے میں اور عورت کے سر کے ۔ ۔ ۔ ۔ تقابل میں کھڑا ہونا چاہیئے دوسری روایت امام صاحب کی جس کو صاحب ہدایہ[3] نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں کے سینے کے مقابل میں کھڑا ہوگا مصنف رہ نے احناف کے دلائل آخیر باب تک بیان فرمائے ہیں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ سے کوئی حد نقل نہیں کی گئی ۔

واللہ اعلم بالصواب

[1] اوجز ص۲۹۴ ج۱، ۲۷۰ [2] کوکب ص۳۱۵ ج۱، ۱۷۰ [3] ہدایہ ص۱۶۳ ج۱، ۱۷۰

باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ

فذھب قوم الی ھذا امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور ایک روایت امام مالکؒ کی یہ ہے کہ نماز جنازہ مسجد کے اندر پڑھی جا سکتی ہے وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر حضرت امام مالکؒ فی روایتہٖ (مشہور روایت کے اعتبار سے) اور احناف داخل ہیں ان کے نزدیک مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے ان کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت معتکف تھے اس وجہ سے نماز پڑھی نیز حضرت عائشہ رضؓ کے قول پر صحابۂ کرام رضؓ کا نکیر کرنا ہمارے لئے اقوی دلیل ہے

باب التکبیر علی الجنازۃ کم ھوا ؟

ابن ابی لیلیٰؒ ظاہریہؒ امام یوسفؒ اور روافض حضرات کے نزدیک تکبیرات جنازہ پانچ ہیں فذھب قوم سے امام طحاویؒ نے انھیں لوگوں کو تعبیر فرمایا ہے اس کے برخلاف ائمہ اربعہ اور جماہیر امت فقہاء الامصار علماء الامصار کے نزدیک نماز جنازہ کے اندر چار تکبیریں ہیں اس سے بعد احادیث کا ایک عظیم ذخیرہ استدلال کے لئے پیش فرمایا ان کے نزدیک استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خاص خاص موقع کے لئے تھا مثلاً حضرات اہل بدر کے لئے کہ ان پر پانچ پانچ تکبیرات کی گئی تھیں اب یہ حکم نہیں ہے۔

باب الصلوٰۃ علی الشھداء

حضرت امام مالکؒ امام شافعیؒ اسحاق بن راہویہؒ اور اہل مدینہ کے نزدیک نماز جنازہ شہید پر نہیں ہے کیونکہ روایت کے اندر ہے لم یصل علیھم اور نظر کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب ان لوگوں پر غسل نہیں ہے تو نماز جنازہ بھی نہیں ہے کیونکہ نماز اس پر پڑھی جائے گی جس پر غسل ہوگا اس جماعت کو حضرت امام طحاویؒ نے فذھب قوم سے تعبیر فرمایا ہے وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر حنفیہ حنابلہ داخل ہیں ان کے نزدیک نماز پڑھی جائے گی اور باب کے اندر بہت سی احادیث ہیں جو ہماری دلیل ہیں۔ ولم یصل علیھم کا جواب یہ ہے کہ بیان جواز کے لئے ایسا فرمایا تھا۔

[illegible]

[illegible]

جواب ۲؎ حضورؐ بہت زخمی تھے خون نکل رہا تھا اس لئے نماز نہیں پڑھائی اور ان لوگوں کے نظر کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ غسل والے پر نماز ہوتی ہے اور ان لوگوں کو اگرچہ غسل نہیں دیا گیا تاکہ یہ لوگ طاہر ہو جائیں لیکن ان کا شہید ہو جانا ہی غسل کے حکم میں ہے گویا ایک تو غسل بالمعنی ہوتا ہے اور دوسرا بالاخر تو اگر غسل حقیقی نہیں ہے تو اس کا خلیفہ قائم مقام ضرور موجود ہے نیز روایت کے اندر ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ پر نماز پڑھی ہے اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ ستر مرتبہ پڑھی ہے۔ وہ افضل الشہداء ہیں......... تو جب افضل پر نماز پڑھی گئی۔ تو مفضولین پر تو بدرجۂ اولیٰ پڑھی جائے گی۔ وهو قول ابوحنیفه و صاحبین رحمهم الله اجمعین ؛۔

باب الصلوٰۃ علی الطفل

باب کے اندر شروع کی چند احادیث کے اندر طفل پر نماز نہ پڑھنے کا حکم ہے اس سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں فذهب قوم اس سے مراد حضرت سعید بن جبیرؓ ہیں وخالفهم فی ذلك آخرون اس میں ائمۂ اربعہ جماہیر امت داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک طفل پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ باب کے اندر آخیر تک آثار ہمارے مستدل ہیں تو گویا روایات دونوں طرح کی ہیں تو تعارض کی وجہ سے قیاس اور اجماع کی طرف نظر کی جائے گی۔ چنانچہ عادت مسلمین یہی ہے کہ طفل پر نماز پڑھتے ہیں اور قیاس و نظر کا بھی تقاضہ یہی ہے کیونکہ نماز غسل کی فرع ہے اور غسل بچوں کو دیا جاتا ہے لہٰذا نماز بھی پڑھی جائے گی۔ هذا مذهب الجمهور ؛۔

باب المشی بین القبور بالنعال

فذهب قوم امام احمد بن حنبلؒ اہل ظاہرؒ کے نزدیک جوتے وغیرہ پہن کر قبرستان میں چلنا مکروہ ہے باب کے شروع احادیث سے استدلال ہے وخالفهم فی ذلك آخرون ائمۂ ثلاثہؒ اور جمہور امت کے نزدیک بلا کراہیت جائز ہے اور فریق اول کا جواب یہ ہے کہ نعلین آپ نے اسی وجہ سے نکالنے کا حکم دیا کہ اس کے اندر گندگی تھی نہ یہ کہ نعلین فی نفسہ مکروہ ہے نیز جب نماز نعلین کے اندر جائز ہے تو دخول مسجد بھی جائز ہے اور جب دخول مسجد جائز ہوا تو دخول مقابر اور مشی بطریق اولیٰ جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ؛۔

۱؎ العرف الشذی ص۳۵ کوکب ص۱۲۳ ج ۱۲

بَابُ الدَّفنِ بِاللَّیلِ

روایات کے اندر لاتدفنوا اموا تکم وارد ہوا ہے جس سے حسن بصریؒ سعید بن مسیب اور ابن حزم اور امام مالکؒ روایات کے اعتبار سے ان سب لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ دفن باللیل مکروہ ہے یہی لوگ مذھب قوم کے اندر داخل ہیں وخالفهم فی ذٰلك آخرون اس کے اندر جماہیر امت ائمہ ثلاثہ اور امام احمدؒ دوسری روایت کے اعتبار سے داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک کسی قسم کی کراہیت نہیں اور بہت سی احادیث سے استدلال کیا ہے اور شروع باب کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہاں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ رات کے وقت میں آپ نماز نہیں پڑھا سکتے تھے تو ان لوگوں پر نماز پڑھانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن میں دفن کیا کرو تاکہ میں بھی ان پر نماز پڑھوں اور ان لوگوں کے لئے باعث فضیلت ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس مردے کا کفن خراب ہوتا تھا اس کو رات میں دفن کیا کرتے تھے اس لئے ممانعت فرمائی۔ نیز حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاطمہؓ رات کو دفن کئے گئے۔

واللہ اعلم بالصواب

باب الجلوس علی القبورؒ

عن ابی مرثد قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول لا تصلوا الی القبور ولا تجلسوا علیھا عن جابر قال نھی النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن تجلیس القبور والکتابتہ علیھا والجلوس علیھا عن ابی ھریرہ رضؓ لا یجلس احدکم علی جمرۃ حتی تحرق ثیابہ وتخلص الی جلدہ خیر لہٗ من ان یجلس علی قبر قال ابوجعفر لذٰلك فذھب قوم احمد۔ اسحاق ظاہریہ۔ حسن بصری سعید بن زبیر ان روایات کی بنا پر جلوس قبر مکروہ تحریمی کہتے ہیں وخالفهم فی ذٰلك آخرون امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ کے نزدیک کراہیت تنزیہی ہے اور تحریمی کا انکار کرتے ہیں امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے ان روایات کا مطلب بتاتے ہیں کہ جلوس بول وبراز کے لئے حرام ہے۔ جلوس سے نفی بول وبراز مراد لینا صحیح بھی ہے عن زید بن ثابت نہی علیہ السلام ...... عن الجلوس علی القبور لحدث غائط او بول من جلس علی قبر یبول علیہ او یتغوط فکانما جلس علی جمرۃ نار۔ رواہ ابو ھریرہ رضؓ لہذا اس روایت کی بنا پر معلوم ہو گیا کہ جب بول وبراز ہو تب منع ہے جلوس مطلق جائز ہے ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ قبر پر بیٹھے تھے۔

ـــــــــــــــ

سلہ کوکب ص۳۲۰ ج۱ سلہ ایضاً ص۳۱۹ ج۱ العرف الشذی [illegible]

کتاب الزکوٰۃ

باب الصدقہ علی بنی ہاشم

قیل الصدقۃ علی بنی ھاشم جائز لماروی انہٗ علیہ السلام تصدق علی الراحل بنی ھاشم ولیس ھٰذا علی طریق الھدیۃ لانہٗ قال علیھا السلام ماترکت بعد نفقۃ اھلی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ فذھب قوم الی ھٰذا حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک صدقہ بنی ہاشم کے لئے جائز اور حلال ہے وخالفھم فی ذٰلک آخرون جمہور علماء و فقہاء کا اجماع ہے کہ بنی ہاشم کے لئے نہ تو صدقہ جائز ہے اور نہ زکوٰۃ ہی جائز ہے اور نہ نفلی صدقہ ہی جائز ہے بلکہ بنی ہاشم کا حکم غنی کی طرح ہے جیسے غنی کے لئے جائز نہیں ایسے ہی بنی ہاشم کے لئے بھی جائز نہ ہوگا۔ باب کے ابتداء میں جو حدیث ہے وہ حجت نہیں اس لئے کہ ممکن ہے کہ جو مال آپؐ نے بنی ہاشم پر خرچ کیا وہ ہدیہ رہا ہو۔ جیسے غنی ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں حرام تو صدقہ ہے جس سے قربت کی نیت کی جائے اور وہ صدقات جو ہبہ کے طریقہ پر ہوں وہ حرام نہیں اسی طرح بنی ہاشم کے لئے بھی حرام نہیں لہٰذا حدیث اول کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ ابن عباسؓ سے مروی ہے ان لا ناکل الصدقۃ اگرچہ حدیث اول کو ہم تسلیم بھی کرلیں تو یہ حدیث اس لئے ناسخ ہوگی۔ ایک اعتراض فضل بن عباس اور ان کے بھائی عبداللہ کو آپ نے خمس سے مال دیا اور خمس صدقہ ہوتا ہے، جواب ممکن ہے کہ یہ سہم ذی القربیٰ سے دیا ہو اور خمس صدقات سے خارج ہے کیونکہ اوساخ الناس نہیں ہے اس کے بعد حدیث کے انبار سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ صدقہ ناجائز اور ہدیہ جائز ہے اور اس میں صدقہ سے تمام صدقہ مراد ہے کیونکہ آپ نے سائل کو دیتے وقت یہ نہیں دریافت فرمایا کہ یہ صدقہ کونسا ہے صرف یہ پوچھا کہ صدقہ ہے یا ہدیہ لہٰذا تمام صدقات کا حکم برابر ہوگا۔ والنظر خلاصہ یہ ہے کہ غنی کے لئے صدقہ مفروضہ اور صدقہ تطوع دونوں ناجائز ہیں اور فقراء کے لئے دونوں جائز ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ جن کے لئے صدقہ مفروضہ جائز نہیں ان کے لئے صدقہ تطوع بھی جائز نہیں اور جن کے لئے صدقہ مفروضہ جائز ہے ان کے لئے صدقہ تطوع بھی جائز ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دو روایتیں ہیں لیکن فتویٰ جمہور کے موافق والی روایت پر ہے اس طرح صدقہ مولیٰ

بنی ہاشم کے لئے بھی حرام ہے ایک روایت یہ ہے کہ بنی ہاشم کو عامل بننا جائز ہے یا نہیں۔ اس پر فضل ابن عباس رضی والی روایت پر اعتراض ہوگا۔ جواب انہوں نے سد فقر کے لئے عمل طلب کیا تھا آپ نے خمس سے مال دے کر حاجت پوری فرمادی نیز غنی کے لئے عامل بننا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے اسی طرح بنی ہاشم کے لئے بھی جائز ہوگا مگر حضرت امام ابو یوسف رح کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں لیکن جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ ذِی الْمِرَّةِ السَّوِیِّ الْفَقِیرِ هَلْ یَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ اَمْ لَا ؟

عن عبد اللہ ابن عمر قال لا تحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ سوی قال ابوجعفر فذھب قوم الی ھذا حضرت امام شافعی رح ان روایات کے بنا پر فرماتے ہیں کہ تندرست اور قادر علی الکسب کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے اور اس کو غنی کے حکم میں شمار کرتے ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون احناف اور جمہور فرماتے ہیں کہ ہر فقیر کیلئے صدقہ حلال ہے غریب ہو یا قوی ہو۔ ان احادیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ قوی کے لئے اس طرح جائز نہیں ہے جس طرح کہ غریب کے لئے حلال ہے۔ بلکہ قوی کے لئے ضرورۃً وحاجۃً جائز ہے لہٰذا قوی کے لئے جہت فقر سے حلال ہوگا لیکن افضل اکتساب ہی رہیگا۔ لا یحل ایسا ہی ہے جیسے لیس المسکین الذی ترد التمرۃ والتمرتین واحتج اھل مقالۃ الاولیٰ قال علیہ السلام لا حق فیھا لغنی ولا قوی مکتسب، جواب۔ اس روایت میں ہے۔ ان شئتما قلت یعنی اگر تم غنی ہو تو اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ ولا لقوی مکتسب کا مطلب یہ ہے کہ قوی مکتسب کو مطلق جائز نہیں ہے بلکہ فقر کے شرط کے ساتھ جائز ہے اگر نا جائز ہوتا تو ان شئتما نہ فرماتے نیز ایک روایت میں ہے من سألنا اعطیناہ اور اس کے مخاطب عام صحابۂ کرام رض ہیں جس میں قوی مکتسب بھی ہیں اور اپاہج بھی ہیں کلام پاک میں ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین۔ الایۃ۔ لہٰذا جس پر بھی فقیر اور مسکین کا اطلاق ہو سکے اس کو دیا جائے گا۔ اس آیت کی بنا پر بھی مقالہ اولیٰ والی حدیث کو اس کے معنیٰ پر محمول کرنا پڑے گا جس پر ہم نے کیا ہے نیز حضرت قبیصہ کی روایت میں ہے کہ صدقہ تین آدمیوں کے لئے حلال ہے ایک وہ شخص جس نے کسی کی ضمانت کی ہو دوسرے وہ جسے فاقہ ہو گیا۔ تیسرے جسے کوئی حاجت درپیش ہو اس کے لئے تین ذی رائے شخص شہادت دیں اتنی کہ اس کی حاجت دور ہو جائے اس کے علاوہ حرام ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مسئلہ کا مدار حاجت پر ہوگا۔

عـہ صـ۳۳۳ ج ۱۔ ۱۷، ـہ اوجز صـ۲۳۹ ج ۳ ر صـ۲۳۳ وبهذا قال الشافعی رح واسحاق ۱۲ لأ عنه قال ابو یوسف ۱۳ ان دفع الزکوٰۃ الیهم تبیع دارجو الله بجزء اوجز صـ۲۳۳ ج ۳، عـہ اوجز صـ۲۳۳ ج ۳ ـہ البتہ زکوٰۃ سے اجرت نہ لے گا۔ ہدایہ صـ۱۸۶ ج ۱۔ ۱۷،

اسی طرح ایک روایت میں ابن السبیل کے لئے حلال قرار دیا گیا اگرچہ وہ غنی ہو۔ یہاں بھی حاجت پر مدار ہے۔ اسی طرح ان المسالۃ لاتحل الا من فقر موقع اغرام مقطع بعض روایات میں ہے کہ جس کے لئے ایک اوقیہ چاندی ہو اور پھر اس نے سوال کیا تو الخ.... بہر حال بہت سی روایات سے فقر کی وجہ سے صدقہ کو مباح قرار دیا ہے۔ اعتراض :۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر اشراف نفس نہ ہو تو مال لے اس سے معلوم ہوا کہ سوال حرام ہے جواب :۔ یہ سوال صدقات پر نہیں فرمایا یہ وہ مال ہے جیسے امام تقسیم کرتا ہے اور اغنیاء و فقراء سب پر تقسیم کیا جاتا ہے نیز یہ بھی اس میں احتمال ہے کہ ولا مشرف یعنی جتنا واجب ہے اس سے زیادہ لے۔ ولا سائل :کا مطلب ہے اس چیز کا سوال نہ ہو جس کا تمہیں حق نہیں :۔ واللہ اعلم بالصواب

باب المرأۃ ھل یجوز لھا ان تعطی زوجھا من زکوٰۃ مالھا۔

ابتداءِ باب میں حضرت زینب امراۃ عبداللہ کی طویل حدیث ذکر کی جس میں انہوں نے اپنے شوہر کے لئے صدقہ جائز ہونے کے متعلق دریافت کیا فذھب قوم الی ھذا۔ ائمہ ثلاثہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بیوی اپنے شوہر پر زکوٰۃ خرچ کرسکتی ہے وخالفھم فی ذلک آخرون حضرت امام ابوحنیفہ رحؒ کے نزدیک بیوی اپنے شوہر کو مال زکوٰۃ نہیں دے سکتی اور حضرت زینب کی حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ صدقہ سے مراد وہاں زکوٰۃ نہیں بلکہ نفلی صدقہ ہے۔ اور اس کی دلیل ہے کہ مالدار عورت تھی حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس مال نہیں تھا اس لئے ان پر اور ان کے بچوں پر یہ خرچ کرتی تھیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عورت اپنے بچوں پر مال نہیں خرچ کرسکتی تھی اور نہ زکوٰۃ اور اس پر اجماع ہے حالانکہ یہاں بھی بچوں کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ زکوٰۃ نہیں تھی بعض روایات میں رائطہ نام آیا ہے تو یہ انہیں کا نام معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے کوئی اور دوسری بیوی نہیں تھی دوسری روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مال زکوٰۃ نہیں تھا بلکہ صدقہ سے وہ صدقہ مراد تھا جو گناہوں کا کفارہ بن جائے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے معلوم ہوا نیز زکوٰۃ مال کے ایک جزء سے ادا کی جاتی ہے اور یہاں پر سارا زیور صدقہ کرنے کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نہیں تھی واما من طریق النظر اس پر اتفاق ہے کہ شوہر بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اگرچہ فقیرہ ہی ہو اور بیوی غیر کی طرح نہیں ہے جیسے کہ بھائی بہن پر زکوٰۃ خرچ کرسکتا ہے حالانکہ اس پر بھی نفقہ ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں سبب مانع وجوب نفقہ نہیں ہے بلکہ سبب مانع نسبت ہے جیسے کہ والدین کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے لہٰذا جب یہ معلوم ہوگیا کہ سبب مانع نسبت ہے جس طرح والدین کو زکوٰۃ ادا نہیں کی جاسکتی ہے اسی طرح بیوی

شوہر کو زکوٰۃ ادا نہیں کر سکتی نیز بیوی ذی رحم کی طرح ہے ایک کی شہادت دوسرے کے حق میں قبول نہیں ہے اسی طرح ہبہ ایک دوسرے سے واپس نہیں لے گا. تو ثابت ہوا کہ یہاں بیوی کی زکوٰۃ بھی ایک دوسرے کے حق میں ادا نہیں ہوگی اور یہی احناف کا مذہب ہے ۔

باب الخیل السائمة هل فیها صدقة ام لا ؟

اس باب میں اختلاف یہ ہے کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں ہے صرف ذکر ہوں یا اناث تنہا ہوں کسی ایک پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے لیکن اگر دونوں ملے ہوئے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی. وخالفهم فی ذلك آخرون صاحبین ائمہ ثلاثہ جمہور اور امام طحاوی فرماتے ہیں کہ خیل سائمہ کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے اور مقال اولی والوں کا جواب دیتے کہ اس روایت میں لم يبين حق الله سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ ہے زکوٰۃ مراد نہیں ہے جیسے ایک روایت میں ہے انه صلى الله عليه وسلم قال فی المال حق سوی الزکوٰة وتلى هذه الآية ليس البر ان تولوا وجوهكم الخ وجه اخری زکوٰۃ سے مراد یہاں خیل مرتبط میں زکوٰۃ ہے خیل سائمہ میں نہیں ہے وحجة اخرى فسئل عن ذلك الحق ما هو فقال الاطواق نحلها والمارة الخ نیز حضرت عمرؓ سے جو زکوٰۃ لینا یہاں بیان کیا گیا ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ انہوں نے زکوٰۃ کے طور پر نہیں لیا تھا ان لوگوں نے اپنی خوشی سے دینا چاہا حضرت علیؓ کے مشورے سے حضرت عمرؓ نے لینا منظور کر لیا لہٰذا یہ زکوٰۃ نہیں ہے حضرت عمرؓ کو تامل اس وجہ سے تھا کہ ان سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے یہ نہیں لیا تھا حضرت علیؓ سے منقول ہے قد عفوت لكم عن صدقة الخيل والرقيق لہٰذا یہاں بھی صدقہ کی نفی ہے ؛ اعتراض فرماتے ہیں کہ قد عفوت لکم سے جس طرح سے تجارت غلام کی نفی نہیں ہوئی بلکہ غلام خدمت کی نفی ہے اسی طرح قد عفوت لكم عن صدقة الخيل سے خیل رکوب کی نفی ہے. سائم کی نہیں ہے ؛ جواب دقیل الخ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے جو مشورہ لیا تھا اس سے معلوم ہو گیا کہ یہاں خیل کے زکوٰۃ کی مطلق نفی ہے اگرچہ وہ سائم ہوں نیز اس کی تائید میں متعدد احادیث نقل کی ہیں عن ابی ہریرہ رضؓ قال ليس على المسلم فی عبده صدقة ولا فی فرسه واما من طريق النظر جو لوگ زکوٰۃ کو واجب کہتے وہ صرف اختلاط کی صورت میں واجب ہے صرف ذکر یا اناث میں واجب نہیں کرتے حالانکہ غنم اور بقر میں مطلقاً زکوٰۃ واجب ہے اور جب مطلقاً ذکر و اناث میں واجب نہیں تو اسی طرح اختلاط کی صورت میں بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی النظر الثانی بغال وحمار. اگرچہ وہ سائم ہوں زکوٰۃ واجب

ملے قال بعض الاذا ہریرہ لا زکوٰۃ فیها مطلقاً عسه وبه قال ابو حنیفہ وزفر اوجز صـ ۲۵۴ ج ۲ ار لے اوجز صـ ۲۵۴ ج ۲ ار قد ذهبنا الجمہور منہم الخ عسه اختلف متاخر الحنفية فی الفتوی علی قول الامام او صاحبیه الخ ایضاً

نہیں ہے اور اہل بقر میں زکوٰۃ ہے جیسے کہ وہ صائم میں ہوں۔ اب اختلاف صرف خیل میں ہے لہٰذا یہ دیکھا جائیگا کہ خیل کس سے مشابہ ہے تاکہ اس کے ساتھ خیل کا حکم کر دیا جائے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خیل سُم والے ہوتے ہیں اور بقر وابل غنم کھر والے ہوتے ہیں اور خیل بھی سُم والے ہوتے ہیں لہٰذا ان کو بغال وحمیر کے حکم میں کر دیا جائے گا اور یہی صاحبین کا مذہب ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

باب الزکوٰۃ هل یاخذها الامام ام لا؟

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیس علی المسلمین عشور انما العشور علی اهل الذمة فذهب قوم الی هذا؟ حسن بصری مکحول سعید بن جبیر اور حضرت میمون فرماتے ہیں کہ امام کو حق نہیں ہے کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے عامل کو بھیجے بلکہ مسلمانوں کو اختیار ہے چاہے وہ امام کو دیں یا خود ہی اہل حق میں تقسیم کر دیں وخالفهم فی ذلك آخرون الخ ائمہ اربعہ اور جمہور فرماتے ہیں کہ امام کو حق حاصل ہے کہ وہ عامل بھیجے یا خود اہل مال امام کے پاس لاکر دیں۔ اور مقالہ اولیٰ والوں کا جواب دیتے ہیں کہ وہاں عشر سے مراد زکوٰۃ نہیں بلکہ ٹیکس ہے۔ جو جاہلیت میں ان لوگوں سے لیا جاتا تھا۔ اور اس پر دلیل ہے کہ صاحب ٹیکس کو ایک روایت میں عاشر کہا گیا ہے لہٰذا عشر سے مراد بھی ٹیکس ہو جائیگا۔ لا یدخل الجنة صاحب ٹیکس یعنی عاشر معلوم ہوا کہ عشر مرفوعہ سے مراد یہی ٹیکس ہے نہ کہ زکوٰۃ نیز اس کے تائید میں چند احادیث ذکر کی ہیں جس سے معلوم ہوا کہ عشر مرفوعہ وہ ہے جو یہود اور نصاریٰ سے لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رض نے اپنے عامل کو لکھا کہ مسلمانوں سے ہر چالیس دیناروں میں سے ایک دینار لیں اور اہل کتاب سے بیس دیناروں میں سے ایک دینار لیں اسی طرح حضرت عمر رض بھی لیتے تھے اور ان پر کسی نے نکیر نہیں فرمائی۔ تو اس سے اجماع ثابت ہوگیا واما من طریق النظر اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ مویشی کی زکوٰۃ نہیں ہے اور پھلوں کی زکوٰۃ میں امام عامل کو بھیجے گا لہٰذا یہ حکم قیاساً اموال کی زکوٰۃ کا بھی ہونا چاہیئے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ امام کو حق حاصل ہے یہی صاحبین اور حضرت امام صاحب اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے ولیس علی المسلمین عشر کی تاویل یہ ہے کہ عاشر پر گذرنے کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ائمہ اربعہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

باب ذوات العوار هل تؤخذ فی صدقات المواشی ام لا ؟

عن عائشة رضہ قالت بعث النبی صلے اللہ علیہ وسلم مصدقاً فی اول الاسلام فقال خذ الشارف والبکر وذات العیب ولا تاخذ خز رات الناس ۔ الا قذھب قوم الی ھذا ۔ بعض سلف فرماتے ہیں کہ صدقہ لینے والے کو اس طرح لینا چاہیئے اور ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون ائمہ اربعہ اور جمہور امت فرماتے ہیں کہ صدقات میں عیب دار کو نہیں لے گا ۔ دلیل حضرت ابوبکر رضہ سے مروی ہے یعنی مختصراً ۔ لا یوخذ فی الصدقة ھرمة ولا ذات عوار الحدیث ۔ اسی طرح حضرت عمر رضہ کے خطوط ہیں کہ صدقہ میں عیب دار کو نہ لیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ ہے ۔ یعنی حدیث عائشہ رضی عنہا جس کی دلیل خود اسی روایت میں ہے کہ اول اسلام کا واقعہ ہے ، واللہ اعلم

باب الزکوٰة ما یخرج من الارض

عن ابی سعید الخدری قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة ولیس فیما دون خمسة ذود صدقة ولیس فیما دون خمس اواق صدقة ۔ الحدیث ۔ فذھب قوم الی ھذا ۔ ائمہ ثلاثہ رضہ صاحبینؒ اور داؤد ظاہری رضہ کے نزدیک پانچ وسق سے کم زمین کی پیداوار میں زکوٰة نہیں ہے وخالفھم فی ذلک آخرون حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام نخعیؒ امام زفرؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ قلیل وکثیر سب میں زکوٰة ہے ۔ دلائل حسب ذیل ہیں ۔ جب حضرت معاذ رضہ کو یمن روانہ فرمایا تھا تو حکم دیا ۔ فامرنی ان آخذ مما سقت السماء العشر وما سقی بعل نصف العشر اس معنی کی متعدد روایات ذکر کی ہیں ۔ اعتراض یہ روایت پہلی روایت کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ ان روایات میں جو اجمال ہے پہلی روایت سے اس کی تفسیر بیان کی گئی ہے ۔ جواب یہ باطل ہے کیونکہ ان روایات میں خبر دی گئی ہے کہ یہ عشر واجب بنصف عشر ہے اور روایات میں عموم ہے کہ جو وہ چیز جو زمین میں پیدا ہو اس میں عشر یا نصف عشر ہوگا نیز حضرت معاذ کے تتمے میں تو حدیث معاذ کو حدیث انیس کے ۔۔۔ بنا پر استدلال درست نہیں ہے والنظر خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰة

[illegible]

اموال مواشی وغیرہ کے لئے جہاں مقدار متعین پر زکوٰۃ واجب ہے وہاں وقت متعین کی شرط یعنی حولان حول اور زکوٰۃ ارض میں حولان حول شرط نہیں ہے۔ لہٰذا مقدار بھی شرط نہ ہوگی۔

بَابُ الخرص

اس میں اختلاف ہے کہ خرص جائز ہے یا نہیں ائمہ ثلاثہؒ اور جمہور کے نزدیک صرف عنب اور نخیل میں خرص جائز ہے اس کے علاوہ میں جائز نہیں ہے اور احنافؒ کے نزدیک کسی چیز میں خرص جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بیع مزابنہ کی شکل ہو جائے گی۔ اور بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے داؤد ظاہریؒ کے نزدیک صرف نخیل میں جائز ہے ابتدار باب میں چند احادیث ذکر کی ہیں جس سے خرص کو جائز ثابت کیا ہے۔ فذھب قوم الیٰ ھٰذا اس کے مصداق ائمہ ثلاثہ اور جمہور علماء ہیں فرماتے ہیں کہ جن پھلوں میں عشر ہے ان میں خرص کیا جائے گا یعنی صرف عنب اور تمر میں وخالفھم فی ذٰلک آخرونؒ احنافؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جن ثمرات کا خرص کیا گیا وہ رطب تھیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ رطب ہونے کی صورت میں ان میں حق اللہ مکیلاً کر دیا جائے حالانکہ رأس نخل پر بیع التمر الممنوع ہے لہٰذا یہاں خرص کا مطلب یہ نہیں ہے بلکہ مطلب یہ تھا کہ پھلوں کا ایک اندازہ کر لیا جائے پھر کٹائی کے وقت اس کا اندازہ ہو جائے گا کچھ مال کم تو نہیں کیا اور اس وقت جو مال ہے اس میں عشر لیا جائے گا یہ نہیں کہ جو خرص کیا تھا اس حساب سے عشر لیا جائے گا اسکی تائید میں مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد نظراً اس کو ثابت کیا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مزابنہ کی صورت ہے اور اس وقت پر محمول ہے جب ربوا جائز تھا اب ربوا حرام ہوگیا تو اس کی تمام شکلیں حرام کر دی گئیں واما من طریق النظر خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح پھلوں میں زکوٰۃ ہے اسی طرح دوسری مختلف چیزوں میں زکوٰۃ ہے مثلاً سونا چاندی مواشی وغیرہ اور کسی میں زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے لہٰذا یہاں بھی جائز نہ ہوگا۔ یعنی کسی مواشی میں زکوٰۃ واجب ہوئی تھی یہ مال مصدق اب مال کو بدل معلوم یا مجہول یا اجل معلوم یا مجہول تک دیتا ہے تو یہ سب حرام ہے اسی طرح خرص بھی حرام ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب

لہ اوجز صفحہ $\frac{۲۳}{۳۷}$ ۔ لہ ایضاً وقال داؤد لا خرص الا فی النخیل اھ صفحہ $\frac{۲۳}{۳۷}$

بَابُ مقدار صدقة الفطر

عن ابی سعید الخدری قال کنا نؤتی زکوٰۃ الفطر من رمضان صاعًا من طعام او صاعًا من تمر او صاعًا من شعیر او صاعًا من اقط وفی الروایة صاعًا من زبیب۔ فذھب قوم الی ھذا۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ امام شافعیؒ اور ابو سعید الخدری رضؓ ان حضرات کے نزدیک ہر چیز کا ایک صاع ہوگا یعنی جو چیزیں روایت مذکورہ میں ہیں وخالفھم فی ذٰلک آخرون۔ صحابۂ کرام رضؓ تابعینؒ اور احنافؒ فرماتے ہیں کہ حنطہ میں تو نصف صاع اور اس کے علاوہ میں ایک صاع۔

(نوٹ ۱) چاول چنے اپنی مقدار میں سب جائز ہے۔ کہ نصف صاع گیہوں کی مقدار میں پہونچ جائیں احناف اور مالک کے یہاں اقط ناجائز ہے امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے حضرت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں جائز و ناجائز احناف کی دلیل یہ ہے کہ ابو سعید خدری کی حدیث میں خبر ہے کہ ایک صاع دیتے تھے لہٰذا وجود پایا گیا مگر وجوب تو ثابت نہیں ہوتا نیز دوسری احادیث اسی کے خلاف مروی ہیں حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ ہم تو دو دو قمح ادا کرتے تھے۔ اور دو دو کا نصف صاع ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نصف صاع واجب ہے اور اس کے علاوہ نہیں اور ابو سعید خدری سے خود اس کے برخلاف مروی ہے کہ جب مروزن نے ان کی جانب فطرہ کے لئے آدمی بھیجا تو انھوں نے کہا کہ تمر ایک صاع ہے اور بر نصف صاع ہے اس سے ثابت ہوا کہ ایک صاع دینا واجب نہ تھا اور کفارہ یمین میں ایک صاع تمر کو نصف صاع گیہوں کے برابر قرار دیا گیا اسی طرح صدقۂ فطر میں بھی صحابۂ کرام کے مشورے سے نصف صاع گیہوں طے پایا جس کی متعدد احادیث سے تائید فرمائی اس کے بعد نصف صاع گیہوں اور ایک صاع تمر کی تعداد احادیث میں ذکر کی ہیں۔ النظر۔ اس بات پر اجماع ہے کہ شعیر اور تمر میں ایک صاع ہے اور حنطہ میں اختلاف ہے لہٰذا ہم حنطہ کا حکم دوسری جگہ دیکھتے ہیں تو کفارات میں نصف صاع حنطہ کو ایک صاع تمر و شعیر کے برابر قرار دیا ہے اسی طرح یہاں بھی ہوگا اور احناف کا یہی مذہب ہے۔

واللہ اعلم بالصواب
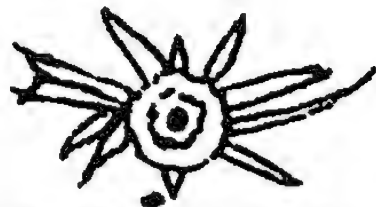
عہ یہ اصل کاپی کا ٹکڑا ہے؟

لہ اوجز ص ۲۸۳ ج ۳

باب وزن الصاع کم ھوا؟

قالت عائشة رضی اللہ عنھا کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یغتسل بمثل ھٰذا قال مجاھد فخزرتہ فیما احزر ثمانیة ارطال تسعة ارطال عشرة ارطال فذھب قوم الیٰ ھٰذہ الآثار۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ امام زفرؒ امام نخعیؒ اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے وزن صاع آٹھ رطل قرار دیتے ہیں وخالفھم فی ذٰلک آخرون ائمہ ثلاثہ حضرت امام ابویوسفؒ کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ جب مدینہ منورہ پہونچے تو وہاں لوگوں نے اپنے اپنے صاع لاکر دکھائے ان کو ناپا گیا تو پانچ رطل اور ثلث رطل پایا۔ لہٰذا حضرت امام ابویوسفؒ نے اس قول کو اختیار کرلیا۔ نیز ائمہ ثلاثہ حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے ساتھ ایک برتن میں غسل کرتی تھیں جس کا وزن ایک فرق تھا۔ اور فرق تین صاع کا ہوتا ہے لہٰذا ڈیڑھ صاع آٹھ رطل کا ہوا۔ اسی حساب سے ایک صاع پانچ رطل اور ثلث رطل کا ہوا۔

جواب۔ جس برتن میں تین صاع بتلایا ہے وہاں پانی کی مقدار کا ذکر نہیں ہے لہٰذا ممکن ہے کہ اس برتن میں دو صاع پانی ہو تو اس حساب سے آٹھ رطل ایک ہی صاع کا ہوگا۔

اعتراض:۔ انس بن مالکؓ سے ایک روایت مروی ہے جس میں تغتسل بخمس کا ذکر ہے لہٰذا یہ حدیث صاع والی روایت کے خلاف ہے۔

جواب:۔ اہل مدینہ مد کو مکوک کہتے تھے لہٰذا آپ چار مکوک سے غسل کرتے تھے اور چار مد کا صاع ہوتا ہے بقیہ ایک مکوک سے وضو کرتے تھے اب کوئی اختلاف نہیں رہا مختلف احادیث سے ثابت کرتے ہیں کہ صاع حجازی آٹھ رطل کا تھا۔

عــه امام ابویوسفؒ کے نزدیک پانچ رطل اور ثلث رطل ہے!

ــه اوجز صـ ۲۸۲ ج ۳

کتاب الصّیام

باب کی پہلی حدیث سے ـــــــــــــــــــ استدلال کرتے ہیں
ایک جماعت سلف صالحین رح جو حضرت حذیفہ رضؓ اور حضرت ابن مسعود رضؓ اور اعمش رضؓ پر مشتمل ہے
یہ جماعت فرماتی ہے کہ طلوع فجر کے بعد اور طلوع شمس سے قبل اگر کوئی شخص کھانا کھائے تو روزہ
فاسد نہیں ہوگا۔ جمہور امت کا اس کے اوپر اجماع ہے کہ طلوع فجر کے بعد کھانا کھانا ممنوع ہے قرآن کریم
اور احادیث کا ذخیرہ اس پر استدلال کے لئے کافی ہے اور سلف کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضرت
حذیفہ رضؓ کی حدیث کے خلاف بہت سی احادیث موجود ہیں لہٰذا ان کی حدیث کا محمل آیت قرآنی ۔
حتیٰ یتبیّن لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود الخ کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔
اب احادیث میں جمع ہو جائے گا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

باب الرجل ینوی الصّیام بعد ما یطلع الفجر

حدیث کے اندر ہے کہ من لم یبیّت الصیام قبل الفجر فلا صیام لہٗ الخ اس حدیث سے
استدلال کرتے ہوئے ایک قوم قائل ہے کہ ہر روزہ کے اندر رات ہی کو نیت شرط ہے اس قوم
کے اندر حضرت ابن عمر رضؓ حضرت جابر رضؓ امام مالکؒ امام مزنی رح اور داؤد ظاہری رح داخل ہیں وخالفھم فی
ذٰلک آخرون۔ اس کے اندر ائمۂ ثلاثہ داخل ہیں فرماتے ہیں کہ حدیث کے اندر اضطراب ہے اور
حفاظ محدثین اس کو نقل نہیں کرتے ہیں لہٰذا دوسری احادیث کی طرف رجوع کیا جائے گا رجوع کے
بعد معلوم ہوا کہ نفلی روزہ کے اندر نیت رات سے شرط نہیں بلکہ فرض روزہ جو غیر متعین ہو یعنی رمضان
وغیرہ کا نہ ہو اس کے اندر رات ہی سے نیت شرط ہے۔ مثلاً قضاء رمضان اور صوم کفارات وغیرہ۔

واللہ اعلم بالصواب

ـــــ (۰) ـــــ

لہ اوجز ص۱۳۰ج۳   لہ ایضاً   عہ ہدایہ ص۲۱۲ وہو مروی الخ   عہ ایضاً ص۲۱۱ فقال الجمہور الخ

بَابُ الحکم فیمن جَامع اهلہٗ فی رمضان متعمّدًا

اس باب کے اندر مصنفؒ نے تین مذہب نقل کئے ہیں پہلا مذہب فذھب قوم سے بیان فرمایا۔ قوم کے اندر شعبیؒ، نخعیؒ، سعید بن جبیرؒ اور قتادہ رح داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک اگر کوئی شخص رمضان کے روزے کے اندر جماع کرے تو اس کے اوپر صرف روزے کی قضاء واجب ہوتی ہے لیکن امام مالکؒ یوں فرماتے ہیں کہ صدقہ بھی قضاء کے ساتھ واجب ہے البتہ کفارہ ان میں سے کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں امامؒ مالکؒ کا مستدل باب کے شروع حدیث سے ہے جس کے اندر آپ نے فرمایا۔ تصدق بھٰذا کفارات کا حکم دیا دوسرا مذہب وخالفھم فی ذٰلک آخرون سے بیان فرمایا۔ امام احمدؒ کی روایت اور امام مالکؒ کی دوسری روایت ہے ایسے شخص پر عتق رقبہ یا دو مہینے کے روزے یا ساٹھ کا کھانا کھلانا ان تینوں میں سے ایک واجب ہے جس کو چاہے کرے اور تیسرے مذہب کو وخالفھم فی ذٰلک آخرون سے تعبیر کیا اس کے اندر احناف شوافع اور امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے ان لوگوں کے نزدیک مذکورہ تین اشیاء میں اختیار نہیں ہے بلکہ ترتیب ہے پہلے عتق رقبہ اس کے بعد صوم اگر اس پر بھی قادر نہیں تو اطعام طعام ہوگا اور آخر باب تک متعدد احادیث ذکر فرمائیں جو تیسرے مذہب کی بیّن دلیل ہیں اور یہی مذہب قوی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الصّیام فی السفر

حدیث شریف کے اندر آتا ہے۔ لیس من البرّ اَنْ تصوموا فی السفر[1] حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔ فذھب قوم الٰی ھٰذا۔ اس کے اندر اہل ظواہر امام زہریؒ امام نخعیؒ امام اوزاعیؒ امام اسحاق بن راہویہؒ اور حضرت امام احمدؒ داخل ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک حدیث مذکورہ کی وجہ سے سفر کے اندر افطار افضل[2] ہے صوم سے وخالفھم فی ذٰلک آخرون اس کے اندر جماہیر امت داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک افطار اور صوم دونوں برابر ہیں چونکہ احادیث کے اندر صوم اور اطعام (افطار) کے اندر اختیار دیا گیا ہے اور ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہاں پر برّ کامل کی نفی ہے۔ نیز بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض حالات[3] کے اندر سفر میں صوم پر ترغیب دی گئی ہے لہٰذا جن احادیث کے اندر کراہیت معلوم ہوتی ہے اس کا محمل تشدّد تعب ہے۔ فافھم!

---

[1] اوجز صفحہ ۲۶ جلد ۳ قدرے اسماء میں فرق ہے ۱۲ اسلام غفرلہٗ [2] اوجز صفحہ ۳۲ جلد ۳ میں چھ اقوال منقول ہیں [3] احناف فی روایۃ الزرکانی ۱۲

[4] ہدایہ صفحہ ۲۰۲ ج ۱، ۱۲

بَابُ الصّوم یوم عَرفة

امام طحاویؒ نے سلف صالحین کے ایک طائفہ کو فذھب قوم سے تعبیر کیا ان لوگوں کے نزدیک یوم عرفہ کا روزہ مکروہ ہے یعنی یوم نحر کا روزہ مکروہ وممنوع ہے اور باب کی پہلی حدیث سے استدلال ہے کہ یوم عرفہ دوسرے ایام عید کی طرح ہے نیز عرفات کے اندر حضور علیہ السلام اور شیخین رض نے مستثنیٰ نے روزہ نہیں رکھا۔ وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر جمہور امت داخل ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی کراہیت نہیں ہے اور حضرات مذکورین نے اسی وجہ سے روزہ نہیں رکھا کہ شدت تعب لاحق ہونے کا احتمال تھا نیز ان میں تمام عرفات کے ساتھ خاص ہے نیز دوسری احادیث کے اندر حضور اقدس ؐ نے صوم یوم عرفہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ یہ بھی ہماری دلیل ہے۔

بَابُ صَوم یوم عَاشورہ

اس باب کے اندر علماء کے تین اقوال ہیں اول حضرت عمرؓ کا ان کے نزدیک صوم یوم عاشورہ مکروہ ہے۔ ایک جماعت دوسری سلف کی ہے ان کے نزدیک صوم یوم عاشورہ جیسے پہلے فرض تھا ویسے ہی آج بھی امت پر فرض ہے تیسرا مذہب جمہور رحمہم اللہ کا کہ پہلے فرض تھا اب منسوخ ہوگیا اس تیسرے مذہب کو حضرت امام طحاویؒ نے تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور باب کے اندر ایسی احادیث بیان فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ابتداء کے اندر امر فرمایا اور پھر منسوخ ہوگیا مصنفؒ نے اس باب کا طرز دوسرے بابوں سے علیحدہ رکھا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

باب الصوم یوم السبت

ایک طائفہ کے نزدیک یوم السبت (شنبہ) کا روزہ مکروہ ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لاتصوموا یوم السبت یہی طائفہ فذھب قوم کے اندر داخل ہے وخالفھم

لہ اوجز صفحہ ۲۴۹ ج ۳ ، کان الحج وبہ مذہب جمہور العلماء من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم ۱۲ عہ غالباً یہ قول ابن عمرؓ کا ہے اوجز صفحہ ۲۴۹ ج ۳ ، میں الثانی ... کان ابن عمرؓ الکوکب ۲۳۶ ج ۱ ، ایضاً ... والثالث ۱۲ عہ حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ

فی ذٰلک آخرون اس کے اندر جمہور داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک کوئی کراہیت نہیں ہے۔ اور آخر باب تک مصنفؒ نے احادیث ذکر فرمائیں جن سے جواز بلا کراہیت معلوم ہوتا ہے اور ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہود کی طرح اس دن کی تعظیم میں روزہ مت رکھو۔ دوسرا جواب۔ حضرت امام داؤدؒ نے دیا۔ یہ حدیث منسوخ ہے تیسرا جواب امام مالکؒ نے دیا فرماتے ہیں کہ هذا الحديث كذب چوتھا جواب هى مضطربٌ عن الاوزاعى ۔ واللہ اعلم بالصواب

باب الصوم بعد النصف من شعبان الى رمضان

اس باب کے اندر حضرت امام طحاویؒ نے ایک حدیث ذکر فرمائی۔ لا صوم بعد النصف من شعبان اس حدیث پاک سے بعض سلف نے استدلال فرمایا کہ بعد النصف روزہ مکروہ ہے۔ اور یہی جماعت سلف فذهب قوم کے مصداق ہیں۔ وخالفهم فی ذٰلک آخرون اس کے اندر جمہور داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک کسی قسم کی کوئی کراہیت نہیں ہے بلکہ اچھا ہے اور غیر منہی عنہ ہے اس کے بعد حضرت امام طحاویؒ نے آخر باب تک احادیث سے اس مذہب کو اچھی طرح ثابت فرمایا اور ان لوگوں کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ خود نصف کے بعد روزہ رکھتے تھے۔ فعلم انہٗ منسوخ دوسرا جواب امام طحاویؒ نے یہ دیا کہ هذا الحديث منكر۔

واللہ اعلم بالصواب،

باب القبلة للصائم

باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ للصائم مفطر صوم ہے حضرت عبداللہ بن مظعون اور ابن مسعود رضؓ اس کے قائل ہیں اور یہی حضرات فذهب قوم کے مصداق ہیں۔ وخالفهم فی ذٰلک آخرون اس کے اندر جماہیر امت داخل ہیں یہ لوگ یوں فرماتے ہیں کہ اگر جماع وغیرہ کا خوف نہ ہو تو صرف قبلہ کے اندر کوئی مضائقہ نہیں ہے اور خود ازواج مطہرات سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے حالت صوم میں تقبیل فرمائی ہے ہاں البتہ ائمہ کے مذاہب کے اندر ذرا تفصیل ہے۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ "مباح للشيخ وللشباب جميعاً" اور امام مالکؒ فرماتے ہیں (مكروهٌ لهما) حضرات حنفیہ اور شوافع کے نزدیک "مباح للشيخ ومكروه للشباب"

لہ وقال احمدؒ ہذا حدیث منکر اوجز صـــ۳ ج ۳، سہ اوجز صـــ۳ ج ۳، فدل علی ان ماروا منسوخ ۱۲،
عہ قلمی کاپیاں میں یہ جگہ خالی ہے۔ اسلام غفرلہٗ، لہ ہدایہ صـــ۲۲۳ ج ۱۲ ار سے ایضاً)

اور حضرات ظاہریہ کے نزدیک قبلہ للصائم مستحب ہے بعدہ مصنفؒ نے ایک مختلف نظر قائم فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبلہ بلا واسطہ مفطر صوم نہیں بلکہ بواسطہ مفطر صوم ہے بخلاف پانی کے کہ وہ بلا واسطہ مفطر ہے تو جب منہ میں پانی لیکر دکل کرلے، سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو اگر رخسار کو منہ میں لے لیا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ مثل کلی کرنے کے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ الصَّائِمِ يَقِئُ

مصنفؒ نے شروع باب میں چند احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قئ مفطر صوم ہے۔ حسن بصریؒ، عطاءؒ، اوزاعیؒ، ابو ثورؒ اسی کے قائل ہیں فذھب قوم الی ھذا سے یہی لوگ مراد ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمہ اربعہ اور جماہیر امت داخل ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک قئ عمداً مفطر صوم ہے اور بغیر عمد کے مفطر صوم نہیں ہے جن روایات کے اندر ہے قاء فافطر وہ حدیث محتاج تاویل ہے ای قاء فضعف فافطر نیز نظر کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ قئ مفطر صوم نہیں کیونکہ فصد عرق سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تو دم جو کہ قئ سے زیادہ نجس ہے اس کے نکلنے سے خواہ عمداً ہو جیسے قصداً کراتے ہیں یا غیر عمد سے ہو جیسے پھنسی کے اندر کسی صورت میں مفسد صوم نہیں ہے۔ ایسے ہی قئ کی صورت میں بھی مفسد صوم نہیں ہونا چاہیئے لیکن عمد کی صورت میں چونکہ نص وارد ہو گئی جس کی وجہ سے عمد کی صورت میں مجبوری ہے۔ یعنی شئی عمداً مفطر صوم ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ الصَّائِمِ يَحْتَجِمُ

باب کی شروع احادیث سے ثابت ہوا کہ افطر الحاجم والمحجوم، اس حدیث سے ایک قوم نے استدلال کیا کہ حجامت مفطر صوم ہے قوم کے اندر حضرت علیؓ رضؓ، عطاءؒ، مسروقؒ، اوزاعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ امام داؤد ظاہریؒ ابو ثورؒ وغیرہم داخل ہیں۔ وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمہ ثلاثہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک حجامت مفسد صوم نہیں ہے بلکہ ان کے روزے کا جواب یہ ہے کہ حاجم کے واسطے خطرہ ہے کہ خون منہ میں بھر جائے اور محجوم کو ضعف لاحق

---

[1] قال العینیؒ اراد بالقوم عطاءا الخ اوجز صہ۔ ج ۳، حضرت حسن بصریؒ کا نام اس جماعت میں نہیں ہے اور جمہور علماء کے ساتھ ان کا اسم گرامی شمار کیا گیا ہے اوجز صہ ج ۳، البتہ ایک روایت منقول ہے کما نقلہ ابن المنذرؒ [2] قال العینیؒ اراد بالقوم الخ صہ ج ۳، اوجز صہ ج ۳ کا نام منقول مجھکو نہیں ملا۔ [3] اوجز صہ ج ۳، [4] سینگی لگانے والا۔

ہو جائے اس وجہ سے ممانعت ہے صرف نفس حجامت مفسد صوم نہیں ہے۔
جواب کہ دونوں شخص غیبت کے اندر مشغول تھے تو غیبت کی وجہ سے آپؐ نے فرمایا کہ ان کا روزہ ٹوٹ گیا اور لفظ حاجم ومحجوم علامت کے طور پر فرمایا اور بقیہ احادیث ان دونوں جوابوں کی از حد تائید فرماتی ہیں چونکہ بہت سی روایات کے اندر وارد ہوا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت صوم حجامت لگوائی ہے نیز نظر کا تقاضہ بھی یہی ہے کیونکہ حجامت کے اندر خروج دم ہوتا ہے اور دم سے بڑھ کر بول وبراز نجس ہوتا ہے تو جب ان دونوں کا خروج ناقض نہیں تو پھر خروج دم یعنی حجامت کیسے ناقض صوم ہو سکتی ہے۔ **فافهم!**

باب الرجل يصبح في يومٍ من شهر رمضان

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صائم جنابت کی حالت میں صبح کردے تو اس کا صوم ٹوٹ جاتا ہے اور یہی مذہب[1] ہے حضرت فضل بن عباس ابوسلمہ ابوہریرہ رضوان اللہ کا لیکن چونکہ ان روایات کے راوی حضرت ابوہریرہ رضؓ ہیں اور انہوں نے اس بات سے[2] رجوع فرمالیا ہے لہٰذا اس کے مخالف مذہب کا کوئی وزن نہ رہا اور یہی حضرات فذهب قوم کے اندر داخل ہیں وخالفهم في ذلك آخرون[3] جمہور امت اس کے مصداق ہیں اور علامہ نووی رحؒ نے اجماع نقل کیا ہے کہ صائم کا جنابت کی حالت میں صبح کرنا مفسد صوم نہیں ہے حضرت عائشہؓ سے متعدد احادیث حضور اکرمؐ سے مروی ہیں کہ کان يصبح جنباً ثم يصبح صائماً اس مضمون کی سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ نیز اس کو نظر بھی مقتضی ہے کیونکہ جنابت اگر صوم پر طاری ہو تو وہ مفسد نہیں[4] ایسے ہی اگر دم حیض پر طاری ہو یعنی حائضہ عورت روزہ رکھے تو یہ مفسد صوم ہے تو جنابت کے اندر دونوں کا حکم برابر ہوگا۔

باب الرجل يدخل في الصيام تطوعاً ثم يفطر

حضرت امام احمدؒ وحضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کسی نے نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس پر قضاء واجب نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر عذر کی وجہ سے ایسا کیا تو یہی حکم ہے اور اگر بغیر عذر کے ایسا کیا تو قضاء واجب ہوگی مصنفؒ نے فذهب قوم سے اسی جماعت کی طرف اشارہ فرمایا ہے وخالفهم في ذلك آخرون[1] اس کے اندر حضرت امام ابوحنیفہ امام نخعی امام مالک رحمہم اللہ بغیر عذر کی

---

[1] وبہ قال الفضل الخ وجز صفحہ ۱۹۲ [2] ثم رجع الخ اوجز صفحہ ۱۹۴ [3] قال الموفق ہو قول عامۃ اہل العلم الخ [1] فیہ اختلفت الائمۃ فی ذلک الخ اوجز صفحہ ۳۰۳

صورت میں اور امام احمدؒ ایک روایت کے اعتبار سے داخل ہیں ان حضرات کے نزدیک ایسے لوگوں پر قضاء ہوگی۔ فریق اول باب کی اول روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ اس کے اندر حضور اکرمؐ نے فرمایا "ان شئت فاقضیه وان شئت فلا تقضیه" مگر فریق ثانی نے جوابؒ دیا کہ اس حدیث کو حماد کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے محدثین نے خلاف نقل کیا ہے۔ جواب عــ۲ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے قضاء کا حکم فرمایا بعدہٗ مصنفؒ نے نذر قائم فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قول کے ذریعے اپنے اوپر نفل روزہ کو واجب کرلے تو اب اس کا رکھنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر توڑ دیا تو قضاء واجب ہوگی تو یہی حال یہاں بھی ہوگا کہ واجب ہے۔ اگلا باب ہے!

صوم یوم الشک عــ

اسؒ کے اندر امام شافعیؒ کے نزدیک کراہیت کا درجہ ہے یہی ایکؒ قول حنابلہ کا بھی ہے مگر جمہورؒ علماء کے نزدیک یوم الشک کے اندر نفل روزہ رکھنے کے اندر کوئی کراہیت نہیں ہے اور مخالف کے مقولہ کا جواب جمہور علماء کی جانب سے یہ ہے کہ وہاں پر اس روزہ کی نفی حضور اکرم صلے اللہ علیہ نے کی ہے جو بطور نفل کے نہ رکھے بلکہ رمضان کا سمجھ کر رکھے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب مناسک الحج

باب المرأۃ لاتجد محرماً هل یجب علیها فرض الحج ام لا

مصنفؒ نے اس باب کے اندر چار مذاہب کا ذکر فرمایا ہےؒ اوّل مذہب کو مذھب قوم سے تعبیر فرمایا اس قوم کے نزدیک خواہ سفر طویل ہو یا قصیر ہو بہر صورت محرم کا ہونا ضروری ہے عورت کے ساتھ۔ اور باب اول کی حدیث سے بوجہ عموم کے استدلال ہے اور دوسری جماعت کو وخالفهم فی ذلك آخرون سے تعبیر فرمایا ہے ان لوگوں کے نزدیک جو کہ سفر شرعی سے کم ہو اس کے اندر عورت

لہ وبہ قال الشافعیؒ اوجز ج۲ ص۸۳ ۲ے ایضاً ۳ے وبہ قال مالکؒ وابو حنیفہؒ اوجز ج۲ ص۸۳ ۴ے اوجز ج۲ ص۲۴

عہ شعبان کی ۳۰ ویں شب میں ابر وجہ مطلع صاف نہ ہونے کے چاند نظر نہ آیا ہو [illegible]

بالمحرم کے سفر کرسکتی ہے اس سے زیادہ کے واسطے محرم کی ضرورت ہے۔ وخالفھم فی ذلک آخرون
یہ تیسری جماعت ہے ان لوگوں کے نزدیک جو سفر ایک دن سے کم ہو اس کے واسطے محرم کا ہونا ضروری
نہیں اور اس سے زیادہ کے واسطے ہونا ضروری ہے۔ وخالفھم فی ذلک آخرون ان بزرگوں کے
نزدیک تین دن کا سفر یا اس سے زیادہ کا سفر ہو تو محرم کا ہونا ضروری ہے اور اس سے کم سفر بغیر محرم کے
جائز ہے اور بہت سی احادیث کے اندر تین دن کے سفر کا تذکرہ موجود ہے اگر اس سے کم کے اندر بھی
محرم کی ضرورت ہو تو تین دن کی قید کوئی معنی نہیں رکھتی ہے تو ہم تین دن کی روایت کو منسوخ مانیں گے۔
یا ناسخ تو پھر اس سے کم کا سفر بغیر محرم کے جائز ہوگا اور تین دن کا سفر بغیر محرم کے ممنوع ہوگا اور ساتھ
ساتھ تین دن کا سفر بھی ممنوع ہوگا اور تین دن کا سفر بہر حالت ممنوع ہے بغیر محرم کے ساتھ ہونے کے
اور تین والی روایت پر بہر حال عمل ضروری ہے لہٰذا جو بھی حالت متعین ہوگی وہ راجح ہے مذہب اول کا
قائل سلف کا ایک طائفہ ہے دوسرے مذہب کے قائل امام جعفر صادق ہیں اور تیسری جماعت کے قائل
امام اوزاعی رح اور ابن المنذر ہیں چوتھا مذہب جماہیر امت اور احناف رحمہم اللہ کا ہے؛ فافھم!

باب المواقیت التی لا ینبغی لمن اراد الاحرام

اس باب کے اندر امام شافعی اور جمہور علماء کے درمیان اختلاف ہے امام شافعی[1] کے نزدیک
اہل عراق کے لئے کوئی میقات متعین نہیں ہے اور جمہور[2] کے نزدیک ذات عرق اس کی میقات ہے
امام شافعی رح کا استدلال ان روایات سے ہے جن کے اندر عراق کی میقات کا ذکر نہیں ہے اور جمہور کا
استدلال ان روایات سے ہے جن کے اندر عراق کی میقات کا ذکر ہے اور امام شافعی رح کا یہ اشکال کہ
یہ عراق اس وقت موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اس کی میقات کا کیا سوال۔ اس کا جواب امام صاحب نے دیا کہ
شام بھی اس وقت فتح نہیں ہوا تھا اور جیسے شام کے اکناف موجود ایسے ہی عراق کے بھی موجود تھے
اور شام کے مفتوح ہونے کا علم جس طرح آپ کو وحی کے ذریعے معلوم ہوگیا تھا عراق کی فتح کا علم
بھی آپ کو بذریعہ وحی کے ہوگیا تھا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] فقال جمہور العلماء الخ الہدایہ ص ۲۳۶ / ۱۲
[2] وبہ قال الثوری ...... ہدایہ

باب الاهلال من این ینبغی ان یکون؟

باب کی شروع احادیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے بیداء سے احرام باندھا امام اوزاعیؒ عطاءؒ اور قتادہؒ کا یہی مذہب ہے فذھب قوم سے یہی لوگ مراد ہیں۔ وخالفھم فی ذلک آخرون۔ کے اندر جمہور داخل ہیں ان کے نزدیک بیداء سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے احرام نہیں باندھا بلکہ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک مسجد کے پاس سے احرام باندھا ہے اور احناف کے نزدیک مصلے پر سے احرام باندھا ہے حنابلہ نے اس کو اولیٰ قرار دیا ہے یہی امام شافعیؒ کا ایک قول ہے۔ باب التلبیہ کیف ہی کے اندر مصنفؒ نے خود امام اوزاعیؒ سفیان ثوریؒ اور امام محمدؒ کا نام بیان کر کے اختلاف نقل کیا ہے کہ امام تلبیہ پر اگر کچھ الفاظ زائد ہو جائیں تو ان مذکورہ حضرات کے نزدیک جائز ہے۔ جمہور کے نزدیک جائز نہیں ا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب التطیب عند الاحرام

عند الاحرام خوشبو لگانے کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے ایسی خوشبو کا قبل الاحرام لگانا جس کا اثر بعد الاحرام باقی رہے۔ فذھب قوم کے مصداق یہی لوگ ہیں امام طحاویؒ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے اور نظر سے ثابت فرمایا ہے وخالفھم فی ذلک آخرون کے اندر حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور حضرت امام صاحبؒ اور داؤد ظاہریؒ داخل ہیں ان حضرات کے نزدیک ارادۂ احرام کے وقت خوشبو لگانا مستحب ہے اور اگر اس کا اثر بعد الاحرام باقی رہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت امام محمدؒ کا استدلال ان روایات سے ہے جن کے اندر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خلوق وغیرہ کو دھونے کا حکم دیا جمہورؒ کی طرف سے ان احادیث کا جواب یہ ہے کہ وہ امر اسی وجہ سے تھا کہ خلوق کا رنگ زعفران کے رنگ کے مشابہ ہے اور زعفران سے ممانعت ہے لہٰذا نفس طیب ہونا مانع نہیں ہے بلکہ اس کا لون ممنوع ہے امام مالکؒ کے نزدیک خوشبو لگانا حرام ہے اور فدیہ دینا واجب ہے یا نہیں اس کے اندر دونوں روایت ہیں اس کے اندر مصنفؒ نے نظر قائم فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ طیب کی طرح اور دوسرے محرمات بھی احرام کے اندر ہیں مثلاً مخیط کا پہننا۔ قتل صید۔ امساک صید وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک بعد الاحرام ممنوع ہے۔ اور اگر پہلے سے استعمال کئے ہوئے ہے تو فوراً اس کے اثر کو

ـــــــ

ل کوکب ص۲۸۳ ج ۱، اوجز ص۳۱۶ ج ۳، اوجز ص۳۲۲ ج ۳

ختم کرنے کا حکم ہے ایسے ہی طیب بھی ہے کہ وہ بعد الاحرام ممنوع ہے اور اگر پہلے سے ہو تو اس کے اثر کا ختم کرنا ضروری ہے اور اس کا ابقاء مکروہ ہے ۔

باب ما یلبس المحرم من الثیاب

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ازار اور نعلین نہ ہونے کی صورت میں اگر محرم سراویل و خفین پہن لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے فذھب قوم کے مصداق یہی لوگ ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون کے اندر ائمہ ثلاثہؒ داخل ہیں ان کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا ۔ اور باب کی شروع احادیث سے جو انہوں نے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے اندر کفارہ کی نفی نہیں ہے اور دوسری روایت سے کفارہ کا ثبوت ہے لہٰذا کفارہ واجب ہوگا اور نظر کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ حرم کے لئے دوسرے محرمات کا ارتکاب جائز ہے اور کفارہ بالاتفاق واجب ہے لہٰذا یہاں بھی کفارہ واجب ہوگا

باب لبس الثوب الذی قد مسہ ورس

شروع باب کے اندر حدیث ہے لا تلبسوا ثوباً مسہ الزعفران اس سے ایک قوم نے استدلال کیا ہے کہ اس کپڑے کو پہننا کسی صورت میں جائز نہیں ہے جس پر زعفران یا ورس وغیرہ میں سے کچھ لگا ہوا ہو۔ فذھب قوم کے اندر مجاھدؒ ھشامؒ عروہؒ امام مالکؒ کی ایک روایت اور ابن حزمؒ وغیرہ داخل ہیں ثوریؒ اور سعیدؒ بن زبیر بھی داخل ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ائمہ ثلاثہؒ اور امام مالکؒ کی ایک روایت ان لوگوں کے نزدیک اس کپڑے کو دھولیا جائے تو اب کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے کپڑے پر اگر نجاست لگی ہوئی ہو اور اس کو دھولیا جائے تو نماز اس کے اندر جائز ہے اور پھر مصنفؒ نے اس کے بعد اپنا استدلال بیان کیا ۔

باب الرجل یحرم وعلیہ قمیص کیف ینبغی ؟

باب کی پہلی روایت کے اندر قمیص کے پھاڑنے کا ذکر ہے تو اس سے امام شافعیؒ ابراہیم نخعیؒ سعید بن زبیرؓ حضرت علیؓ حسنؓ اور ابو قلابہؒ وغیرہ نے استدلال کیا اور کہا کہ محرم اگر قمیص بدن سے نکال لے تو اس کو پھاڑ کر نکالے جیسے حلال نکالتا ہے ویسے نہ نکالے وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر جماہیر امت ہیں ان لوگوں کے

---

[۱] کوکب ص ۲۶۸ ج ۱ ، [۱] قال احمدؒ جائز لمن لم یجد الخ ص ۲۳۹ [۲] فقال مالکؒ و ابو حنیفہؒ الخ ۔۔۔ وقال الشافعیؒ فی قول ، لا شئی علیہ الخ بدایہ ص ۲۲۹ ج ۱ ،
[۳] کوکب ص ۲۶۸ ج ۱ ، و اوجز ص ۳۱۲ ج ۳ ، [۵] واجمع العلماء علی ان المحرم لا یلبس الخ بدایہ ص ۲۳۹ ج ۱ ،

کے نزدیک ایسے ہی نکالے جیسے عام طور پر نکالا جاتا ہے فریق اول کا استدلال یہ ہے کہ اس صورت میں اسکا تغطیہ لازم آئیگا اور وہ ممنوع ہے لہٰذا اسی طرح بھی نکالنا ممنوع ہوگا جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ تغطیہ اس طرح کے لئے علی وجہ اللباس ممنوع ہے اور یہاں پر اس طور پر تغطیہ نہیں ہے۔ لہٰذا جائز ہے جیسے اگر کوئی شخص اپنے سر پر گٹھڑ یا ٹوکری رکھ لے تو احرام کے منافی نہیں ہے ۔

باب ما كان النبى صلى الله عليه وسلم به محرمًا

حضرت امام طحاوی نے شروع باب میں چند احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے احرام افراد کا باندھ رکھا تھا فذھب قوم اس کے اندر حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ داخل ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس سے مراد حضرت امام احمدؒ ہیں ان کے نزدیک تمتع افضل ہے اور متعدد احادیث سے استدلال فرمایا ہے کہ حضورؐ نے تمتع فرمایا ہے آگے چل کر امام صاحبؒ کے مذہب کو بیان کیا ہے جن احادیث کے اندر ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا احرام باندھا وہ ہمارا مستدل ہے اور حضورؐ کا حج بھی قران کا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے حکم دیا تھا" قل عمرة فی حجة " لہٰذا حضور اقدسؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیسے کر سکتے ہیں۔ اور جن روایات سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے ان سب کے اندر توجیہ یہ ہے کہ درحقیقت حضور اقدسؐ جب حج کے لئے تشریف لے چلے تو حج کا احرام باندھا لوگوں نے سمجھا کہ افراد کا احرام باندھا ہے اس کو روایت کر دیا ہے آگے چل کر آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور حج کا احرام توڑ دیا تو جب لوگوں نے دیکھا کہ عمرہ کا احرام باندھا گیا ہے تو لوگوں نے سمجھا کہ آپ نے تمتع کا احرام باندھا ہے اب عمرہ کریں گے پھر حلال ہو جائیں گے اور اس کے بعد حج کا احرام باندھیں گے لہٰذا لوگوں نے روایت کر دیا کہ آپ نے تمتع کا احرام باندھا ہے۔ حالانکہ وہاں حکم ہو گیا قل عمرة فی حجة۔ جس کی بنا پر آپؐ نے عمرہ کے بعد حج کا بھی احرام باندھا اور قرآن کا حج ادا فرمایا۔ نیز حج افراد کے اندر تو ھدی ہوتی نہیں ہے اور حج تمتع اور قرآن کے اندر ہوتی ہے اور قرآن کی ھدی کو قارن کھا سکتا ہے اور تمتع والا کھا نہیں سکتا اور حضورؐ نے کھائی ہے، یہ بھی دلیل بین ہے کہ آپؐ کی ھدی قران کی ھدی تھی تمتع کی نہیں تھی :-

والله اعلم بالصواب

ع۱ آپؐ کا احرام کونسا تھا؟ چونکہ روایات اس باب میں مختلف وارد ہوئی ہیں اسی وجہ سے حضرات علماء کے درمیان ان میں سے افضلیت کا اختلاف ہو گیا ہے۔ ہدایہ ص ۲۴۵ ج ۱، سے قال النوری اختلف العلماء ۱ لخ کوکب ص ۲۴۴ ج ۱، اوجز ص ۳۴۴ ج ۳، سے وقال احمدؒ وآخرون ا لخ ایضاً سے وقال ابوحنیفہؒ وآخرون ا لخ ایضاً

باب الهدی یساق للمتعۃ والقران ہل یرکب ام لا؟[1]

حضرت عروہ بن الزبیرؓ، امام احمدؒ، اسحاق بن راہویہؒ، حضرات ظاہریہؒ اور حضرت امام مالکؒ کی ایک روایت ہے کہ ھدی پر رکوب جائز ہے خواہ عذر ہو یا نہ ہو اور باب کی شروع حدیث سے استدلال کیا کہ ارکبھا ویلک آپ نے فرمایا ہے بعض ظاہریہ نے یہ لفظ دیکھتے ہوئے رکوب کے وجوب کا قول نقل کرتے ہیں۔ وخالفھم فی ذٰلک آخرون اس کے اندر جمہور علماء داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک وقت ضرورت تو رکوب جائز ہے ویسے ممنوع ہے بلا ضرورت اور بہت سی احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ وقت ضرورت آپ نے اجازت دی ہے لہٰذا مطلق کو مقید کی طرف راجع کیا جائے گا۔ اور نظر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بلا ضرورت جائز نہیں ہے کیونکہ ملوک کی دو قسمیں ہیں ایک ملک کامل دوسرا ملک ناقص اور انتفاع ملک ناقص میں ناجائز ہے اور ملک کامل میں جائز ہے ھدی کے اندر ملک ناقص ہے کیونکہ وہ اللہ کے نام پر اس کو دے چکا ہے لہٰذا اب اس سے انتفاع جائز نہیں ہے۔

باب ما یقتل المحرم من الدواب

ائمہ ثلاثہؒ[2] کے نزدیک کلب عقور کیا تھا کل سبع اس کے اندر داخل ہیں۔ یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں اور حضرت امام صاحبؒ امام اوزاعیؒ حسن بن صالحؒ کے نزدیک ان پانچ کے ساتھ اور کوئی شئی لاحق نہیں ہے۔ ورنہ تو پھر حضورؐ کے خمس کا عدد ذکر فرمانے کا کوئی وجہ نہیں رہتی لہٰذا اس قید کی ضرورت نہیں ہے اب اعتراض وارد ہوگا کہ قتل ذئب کی ہمارے یہاں اجازت ہے۔ لہٰذا خمس پر زیادتی کیوں ہو گئی اس کا جواب حضرت امام طحاویؒ نے دیا:۔[3]

---

[1] کوکب صـ۲۹۲ ۱۲ ار عہ طحاوی صـ۳۸۲ ۱۲ ار [2] وجمہورہم علی القول باباحۃ قتل ما تضمنہ الخ ہدایہ صـ۲۹۵ ۱۲ ار عہ احنافؒ کا مذہب ائمہ ثلاثہؒ کے مطابق ہے قال فی الکوکب..... ولیس بحصور فی المذکور الخ صـ۲۳ ۱۲ ار لہٰذا ہو المذہب عند الحنفیۃؒ ایضاً ۱۲ ار [3] صاحب ہدایہ صـ۲۹۳ ۱۲ ار پر اسی طرف اشارہ کیا ہے مگر ابن الہمامؒ نے اس پر اعتراض وارد کیا ہے فتح القدیر میں ملاحظہ کیا جائے ۱۲ اسلام غفرلہٗ

باب الصید یذبحه الحلال فی الحل

بعض سلف حضرت علی رضؓ ابن عباس رضؓ ابن عمر رضؓ اسحاق بن راہویہ رحؒ کے نزدیک
حلال کا شکار محرم کے لئے نا جائز نہیں کیونکہ نفس شکار ہی محرم کے لئے ممنوع ہے لہذا خواہ وہ شکار
حلال کرے یا محرم کرے ہر صورت کے اندر نا جائز ہے[1] یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں۔
آگے چل کر حضرت امام طحاوی رحؒ نے ائمہ ثلاثہ کا مذہب بیان فرمایا کہ اگر حلال محرم کے لئے شکار کرے
تو نا جائز ہے اور اگر اپنے لئے کیا تھا اور پھر محرم کو کھلائے تو یہ جائز ہے اس کو امام طحاوی رحؒ نے فذھب
قوم سے تعبیر فرمایا وخالفھم فی ذٰلک آخرون اس کے اندر حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ
داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک ہر وہ شکار جس کو حلال نے شکار کیا اس کی اجازت ہے کہ وہ محرم کھائے
خواہ اس کے لئے شکار کرے یا اپنے لئے شکار کرے اور بہت سی احادیث بطور استدلال ذکر فرمائی ہیں۔
اول جماعت کا مستدل مخالف ہے دوسری جماعت کے مستدل کے نیز دوسری جماعت کے مستدل میں جو
لفظ (یصاد لکم) آیا ہے اس کے اندر احتمال ہے یا اس کا مطلب یہ ہوا کہ یصاد لکم بامرکم ان کے حکم و
اشارے سے شکار کیا جائے اور اس صورت کے اندر ہمارے نزدیک بھی حلال نہیں ہے آگے مصنفؒ
نظر قائم فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حرمت لحم صید حرم یا احرام کی وجہ سے ہوتی ہے اور اول سے اور
حلال سے حرمت نہیں ہوتی چنانچہ اگر حل سے شکار کیا جائے تو وہ محرم کیلئے کھانا بالاتفاق جائز ہے لہذا
اگر حلال شکار کرے تو وہ بھی بالاتفاق جائز ہونا چاہیئے۔

باب رفع الیدین عند رویۃ البیت

سفیان ثوریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک رویت بیت کے وقت رفع یدین کرنا مسنون
اور مستحب ہے، یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں جماہیر امتؒ کا اتفاق ہے کہ رویت بیت کے
وقت رفع یدین نہیں ہے یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ وخالفھم فی ذٰلک آخرون کے مصداق یہی
حضرات ہیں اور امام شافعیؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ لا اکرہ ولا استحبہ، جمہور کا مستدل وہ روایات
جن کے اندر ممانعت وارد ہوئی ہے اور اس کو فعل یہود[2] کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ جو لوگ رفع یدین کے قائل
ہیں فرماتے ہیں کہ رفع یدین رویت بیت کے وقت تعظیم کیلئے ہوتا ہے احرام اور حرم کی وجہ سے نہیں ان کے

---

[1] فی المسئلۃ ثلثۃ مذاہب الاول المنع مطلقاً[?] ۲۷۹ [2] یعنی حرمت حرم میں دخول کی وجہ حرام نہیں۔

اس قول سے مصنفؒ نے نظر کا استنباط اپنے مذہب پر فرمالیا کہ رفع یدین کے اندر تعظیم کو بھی دخل نہیں ہے کیونکہ غیر محرم کے لئے رفع یدین کے قائل وہ بھی نہیں ہیں معلوم ہوا کہ تعظیم بیت کو دخل نہیں ہے۔ اور احرام کے سبب ہونے کی نفی ان لوگوں نے خود کر دی لہٰذا رفع یدین نہیں ہوگا نیز مواقع حج کے اندر رفع ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں وقوف ہو مثلاً جمرتین پر رفع ہے کیونکہ وہاں وقوف بھی ہے اور عند رؤیت البیت وقوف نہیں ہے۔ لہٰذا رفع یدین بھی نہیں ہوگا۔

باب الرمل فی الطواف

اس باب کے اندر مصنفؒ کو یہ بیان کرنا ہے کہ رمل سنت ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ اس کی سنیت کا انکار کرتے ہیں اور یہی مذھب قوم کے مصداق ہیں ورنہ جمہور امت کا اجماع ہے کہ رمل فی الطواف سنت ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اندر رمل فرمایا ہے حالانکہ وہ علت جس کی وجہ سے آپؐ نے ابتداء میں رمل فرمایا تھا وہ ختم ہو چکی تھی اس کے باوجود حضرات خلفاء اربعہ راشدینؓ و علماء کرامؒ و عظامؒ نے رمل کیا ہے عــه اگلا باب ہے مایستلم من الارکان فی الطواف اس کے اندر ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ جمہور امتؒ ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ صرف رکن یمانی اور حجر اسود کا استیلام ہوگا اور متعدد احادیث استدلال کے اندر موجود ہیں البتہ صحابہ کرامؓ کے اندر حضرت ابن الزبیرؓ حضرت معاویہ حضرت جابرؓ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت انسؓ اور تابعین میں سے سوید ابن غفلہؓ اس کے قائل ہیں کہ چاروں رکن کا استیلام ہوگا۔

باب الصلوٰۃ للطواف بعد الصبح

روایت الباب کے اندر ہے لا تمنعوا احداً ان یطوف البیت اس سے امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا دن رات کے اندر جس وقت چاہے جو نماز چاہے پڑھ سکتا ہے خواہ اوقات مکروہ کے اندر ہو یا غیر مکروہ کے اندر اور یہی لوگ مذھب قوم کے مصداق ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون کے اندر امام صاحبؒ اور امام مالکؒ داخل ہیں ان حضرات کے نزدیک اوقات منہی عنہ کے اندر مکہ کے اندر نماز ناجائز اور ممنوع ہے۔ جیسے اور ممالک کے اندر ممنوع ہے اور حدیث کے اندر جو اجازت معلوم ہو رہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ مالکانہ طور پر نماز پڑھنے سے منع نہ کرو بلکہ شرعی طور پر نماز سے منع کر سکتے ہو۔ ان دونوں مذہبوں

عــه حضرت ابن عباسؓ کا قول مسنون ہونیکا بدایہ ص ۲۴۸ ج ۱ پر منقول ہے و اوجز ص ۴۹۲ ج ۳ پر ابن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے ۱۲

۱ لہٰذا یہ مسنون ہے دیر قال الخ بدایہ ص ۲۴۸ ج ۱ اوجز ص ۴۹۱ ج ۳ ۲ وقال الشافعیؒ مباح ۱۲ اوجز ص ۵۰۲ ج ۳ ۳ الا ان الامام احمد منع النوافل مطلقاً اباح تحیۃ الطواف الخ اوجز ص ۵۰۲ ج ۳ ۴ وھو مذھب مالکؒ وابی حنیفہؒ ۱۲ اوجز ص ۵۰۳ ج ۳

کے علاوہ تیسرا مذہب مجاہدؒ ابراہیم نخعیؒ عطاءؒ اور سفیان ثوریؒ کا ہے جس کو امام طحاویؒ نے بیان کیا ہے آخر کے اندر وہ یہ کہ ان لوگوں کے نزدیک نماز فجر کے بعد طلوع شمس سے قبل اور نماز عصر کے بعد اصفرار شمس سے قبل نماز جائز ہے باقی تین وقتوں کے اندر نماز جائز نہیں ہے۔ حضرت امام طحاویؒ کا میلان اسی طرف ہے اور نظر کے ذریعہ اسکو ثابت فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ اوقات ثلاثہ کے اندر فوات صلوٰۃ جنازہ تطوع وغیرہ ممنوع ہے اور ان دونوں دو وقتوں کے اندر صلوٰۃ فائتہ اور نماز جنازہ جائز ہے لہٰذا تطوع اور طواف وغیرہ جائز ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ مَنْ اَحْرَمَ بِحَجَّةٍ وطاف لها قبل

حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اگر کوئی شخص حج کا احرام باندھے تو اس کا طواف وقوف عرفہ سے پہلے کرے تو ان کے نزدیک حلال ہو جاتا ہے متعدد احادیث استدلال میں پیش فرمائی ہیں)۔ یہی مذھب قوم کے مصداق ہیں وخالفھم فی ذلک جمہور سلف اور خلف اس کے اندر داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک پورا حج کرنے کے بعد وہ حلال ہوگا اور ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہ حضورؐ اور صحابہ کرام کے لئے خاص ہے اور بہت سی احادیث خصوصیت پر محمول ہیں آگے چل کر مصنفؒ نے نظر قائم فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ عمرہ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ سعی اور طواف سے ختم ہو جاتا ہے بشرطیکہ سوق ھدی نہ ہو لیکن اگر ہے تو وہ سوق ھدی للحج مانع احلال ہے تو جب سوق ھدی للحج مانع احلال ہے تو دخول فی الحج امنع للاحلال ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

باب القارن کم علیہ من الطواف

حدیث الباب کے اندر ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ من جمع بین الحج والعمرۃ کفارۃ لهما طواف واحد وسعی واحد۔ اس سے ائمہ ثلاثہؒ نے استدلال کیا ہے کہ قارن کے لئے صرف ایک طواف اور ایک سعی ہے یہی مذھب قوم کے مصداق ہیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر احنافؒ ومن اتبعہم داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک دو طواف اور دو سعی ہیں اور ان کے استدلال کا جواب عـ۱ یہ ہے کہ وہ حدیث موقوف ہے لہٰذا قابل استدلال

عـه والثعبیؒ ومجاہدؒ وابن ابی لیلیؒ وغیرہم وابو حنیفہؒ الخ کوکب صـ۲۹۸ اور سے کوکب صـ۲۹۵ وبہ قال الاوزاعیؒ والشعبی

عـ۱ بدایہ صـ۲۳۳ اور مذہب ابن عباسؓ الخ ... والجمہور الخ بدایہ صـ۲۳۳ ج ۱

نہیں جواب دادر دی رحنے اس کو عبید اللہ ابن عمر رض سے نقل کیا ہے اور ہر ایسی روایت محدثین کے نزدیک شاذ ہے مصنف رح نے مسئلہ پر طویل کلام کرتے ہوتے اپنے مستدل بیان کئے اور ان کے استدلال کا جواب اور ضعف فرماکر نظر قائم فرمائی جو اہم انظار طحاوی میں سے ہے اور حاصل اس کا یہ ہے کہ یہاں دو فعل ہیں ہر ایک کا مقتضیٰ ہے لہٰذا ان دونوں کو پورے کرنے ہوں گے اس پر اشکال ہوا۔ کہ حرمت عمرہ اور حرمت حج کے جو دو مقتضیٰ ہیں ان کے اندر تداخل ہونا چاہیئے۔ جیسے اگر محرم حرم کے اندر شکار کرے تو اس پر ایک ہی دم واجب ہوتا ہے حالانکہ حرمت حرم اور حرمت احرام دو مقتضیٰ ہونا چاہیئے۔ مگر یہاں تداخل ہوگیا۔ ایسے ہی اول دونوں حرمتوں کے اندر بھی تداخل ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہی ہے لیکن استحسان کی وجہ سے ہم نے تداخل نہیں کیا اور استحسان یہ ہے کہ حرمت عمرہ اور حرمت حج دونوں برابر ہیں اور حرمت احرام قوی ہے حرمت حرم سے تو جہاں قوت اور ضعف ہو وہاں تداخل ہوتا ہے اور جہاں دونوں برابر ہیں وہاں تداخل نہیں ہوگا۔ لیکن حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف استحسان ہی کا تقاضہ نہیں بلکہ قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ تداخل نہ ہو کیونکہ تداخل الشیئیں مختلفین میں ہوتا ہے متجانسین میں تداخل نہیں ہوتا جیسے ایک سال کے اندر ایک ہی حج ہوگا دو حج کا تداخل ہو کر ایک سال میں دونوں ہو جائیں یہ نہیں ہو سکتا اور عمرہ اور حج کے اندر تداخل ہو سکتا ہے کیوں کہ وہ متجانس نہیں بلکہ مختلف ہے لہٰذا حرمت حرم اور احرام چونکہ متخالف ہیں اس لئے وہاں تداخل ہو جائے گا۔ اور متخالف اس وجہ سے ہے کہ انتہار کہ حرمت حرم کی صورت میں حرم کفارہ نہیں ہو سکتا ہے اور حرمت احرام کے اندر حرم کفارہ بن سکتا ہے لہٰذا تداخل ہوگا اور حرمت عمرہ اور حرمت حج یہ دونوں متجانس ہیں یہاں تداخل نہیں ہوگا۔ اس پر ان لوگوں نے اشکال کیا کہ اگر ایک شخص نے عمرہ کا احرام باندھا اور حج کیا تو اس کے بعد صرف ایک حلق سے وہ حلال ہو جائیگا تو جیسے قارن کے لئے حلق واحد ہے باوجودیکہ حرمت عمرہ اور حرمت حج دونوں موجود ہیں تو ایسے ہی اس کے لئے طواف بھی واحد ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وحدت حلق سے وحدت طواف پر استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ بعض صورتوں کے اندر وحدت حلق کے باوجود خود تم لوگوں کے نزدیک طواف دو واجب ہوتے ہیں مثلاً متمتع سائق الہدی ہو تو اس کے ذمہ دو طواف اور دو سعی ہیں حالانکہ حلق صرف ایک ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

باب حکم الوقوف بمزدلفۃ

حضرت علقمہؒ حضرت نخعیؒ اور شعبیؒ کے نزدیک وقوف مزدلفہ مثل وقوف عرفہ کے ذاتیات اور صلب حج سے ہے یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں اور باب کی احادیث ان کا مستدل ہے۔ وخالفھم فی ذلک آخرون اسی سے جماہیر امت اور حضرات ائمہ اربعہ مراد ہیں ان لوگوں کے نزدیک وقوف عرفہ صرف صلب حج کے اندر داخل ہے چنانچہ سیکڑوں احادیث کے اندر آپ سے حج کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ الحج عرفۃ یہاں مزدلفہ کا ذکر نہیں نیز نظر کا حاصل بھی یہی ہے کہ ذاتیات میں صرف وقوف عرفہ ہے کیونکہ ضرورت ذاتیات کے اندر مؤثر نہیں ہوتی مثلاً مرض کی وجہ سے نماز بالکل ساقط نہیں ہوتی۔ اور وقوف مزدلفہ ضرورت کے تحت ساقط ہو جاتا ہے مثلاً حضرت ابن عباسؓ کو سقایہ کی وجہ سے اجازت مل گئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب الجمع بین الصلوتین یجمع کیف؟[۳]

باب کے شروع احادیث کے اندر حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے جمع بین الصلوتین فرمایا ہے اور ہر نماز کو باجماعت واقامت ادا فرمایا ہے۔ فذھب قوم اس کے اندر حضرت عمرؓ حضرت ابن مسعودؓ امام مالکؒ وغیرہ داخل ہیں اور ان لوگوں کا یہی مذہب ہے وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر احناف داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک پہلی نماز کیلئے اذان اور اقامت ہے اور دوسری نماز بلا اذان واقامت ادا کی جائیگی اور اول کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ وہاں دونوں نمازوں کے درمیان شام کا کھانا کھایا گیا تھا تو فصل کی وجہ سے دوبارہ اذان واقامت دوسری نماز کیلئے رکھی گئی تھی اور ایسی صورت کے اندر ہمارا مذہب بھی یہی ہے اس کے بعد مصنفؒ نے متعدد احادیث اپنے مذہب کی تائید میں پیش فرمائی ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک اذان تو کسی نماز کیلئے نہیں ہے البتہ اقامت دونوں کے لئے ہے امام احمدؒ کا ایک قول یہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اذان ہر دونوں کیلئے ہے البتہ اقامت صرف ایک کیلئے ہے یہی ابن عمرؓ کی ایک روایت اور سفیان ثوریؒ کا مذہب ہے آگے چل کر امام طحاویؒ نے فرمایا وخالفھم فی ذلک آخرون اسی کے اندر امام احمدؒ سفیان ثوری ابن ماجشون وغیرہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک پہلی نماز کے لئے تو

---

[۱] وذہب علقمۃ بن قیس الخ اوجز ص۶۶ ج۳ اس جماعت میں حسن بصریؒ، اوزاعیؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ بھی داخل ہیں۔ [۲] اوجز ص۵۴ ج۳، [۳] اوجز ص۶۲ ج۳، وکوکب ص۲۸۷ ج۱، قال العینیؒ فللعلماء فیہ ستۃ اقوال الخ اوجز ص۶۲

اذان اور اقامت دونوں اور دوسری نماز کے لئے صرف اقامت بلا اذان ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اصح قول یہی ہے :- واللہ اعلم بالصواب،

باب رمی جمرۃ العقبۃ للضعفاء

امام مالکؒ احمدؒ کے نزدیک رمی بعد الفجر قبل طلوع الشمس جائز ہے باب کے شروع میں حضرت ابن عباس رضؓ کا فعل جو ذکر کیا گیا ہے اسی سے استدلال کیا ہے یہی لوگ فذھب قوم کے مصداق ہیں وخالفھم فی الخ اس کے اندر احناف مجاہدؒ ثوریؒ نخعیؒ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک الی بعد طلوع الشمس جائز ہے اس کے بعد مصنفؒ نے بہت احادیث ذکر فرمائیں جن کے اندر وارد ہوا ہے لا ترموا جمرۃ العقبۃ حتیٰ تطلع الشمس اور ان لوگوں کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ وہ حضور اکرم صؐ کے امر سے نہیں تھا بلکہ ان کی اپنی رائے اور گمان تھا امام شافعیؒ عطاء ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک نصف لیل کے بعد رمی جائز ہے فذھب قوم الی ھذا۔ عطاء ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی عکرمہ ابن خالد اس کے مصداق ہیں۔ ان کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی لیلۃ النحر میں طلوع فجر سے قبل جائز ہے ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک طلوع فجر سے قبل رمی جائز نہیں ہے چنانچہ مصنفؒ نے استدلال کرنے کے لئے بہت سی احادیث پیش فرمائی ہیں اور ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے متن کے اعتبار سے اس کے بعد مصنفؒ نے نظر قائم فرمائی کہ گیارھویں تاریخ کے اندر دن میں رمی کرنا سب کے نزدیک بالاتفاق ضروری ہے لہٰذا دسویں تاریخ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا اور اس میں بھی دن کے اندر رمی کرنی ہوگی رات کو کافی نہیں ہوگی :- واللہ اعلم بالصواب۔

باب الرجل یدع رمی جمرۃ العقبۃ

امام طحاویؒ نے امام صاحبؒ کا مذہب بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص یوم النحر میں رمی نہ کرے بلکہ گیارھویں کی رات میں کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر رات گذر جائے اور دن آجائے تو اب تاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ اس کے بعد صاحبینؒ کا مذہب بیان فرمایا کہ اگلے دن بھی اگر رمی کرے گا تو کافی ہے اور دم واجب نہیں ہوگا اس مذہب کو امام طحاویؒ نے راجح قرار دیا ہے اور نظر سے مؤید فرمایا اور یہی مذہب امام شافعیؒ کا بھی ہے نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اشیاء ایسی ہیں جن میں وقت متعین ہوتا ہے کہ اس وقت کے گذرنے کے بعد قضاء نہیں بلکہ دم واجب ہوتا ہے اور بعض اشیاء ایسی ہیں کہ جن کا وقت تمام دہر ہے کہ

۱؎ قول الثالث الخ اوجز ص۶۲۸ ج۳، ۲؎ اوجز ص۵۸۶ ج۳ و اما وقت الجواز ... وعن احمدؒ یجزئ بعد الفجر الخ ۳؎ وقال مجاہدؒ الخ ایضاً ۴؎ وبہٰذا قال ابو حنیفہؒ الخ اوجز ص۵۸۶ ج۳، ۵؎ وقال الشافعیؒ الخ ایضاً وقال ابو یوسفؒ الخ ایضاً،

جب چاہے ادا کرے تو کافی ہے دم واجب نہیں ہوگا لیکن اس کا جواب امام صاحب کی طرف سے یہ ہے کہ جو وقت آج کی رمی کا ہے وہ تو ختم ہو چکا۔ لہٰذا اس کے لئے دم واجب ہوگا۔

باب التلبیة متی یقطعها

حضرت امام طحاویؒ نے شروع میں چند احادیث ذکر فرمائی ہیں اس کے بعد فرمایا فذھب قوم اس کے اندر دو طائفیں ہیں جن میں سے ایک طائفہ کہتا ہے کہ قطع تلبیہ عرفات کی طرف متوجہ ہونے کے وقت اور دوسرے طائفہ کے نزدیک وقوف عرفات کے وقت قطع کرے پہلا طائفہ[۱] مشتمل ہے حضرت عائشہؓ سعید ابن ابی وقاصؓ امام مالکؒ امام اوزاعیؒ لیثؒ اور دوسرے طائفہ میں امام مالکؒ داخل ہیں ایک روایت کے اعتبار سے وخالفھم فی ذٰلک آخرونؒ اس کے اندر جمہور داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک جمرة العقبٰی کی رمی کے وقت قطع تلبیہ ہوگا اس کے بعد مصنفؒ نے احادیث کا ایک انبار لگا دیا جو سب جمہور کے مستدل ہیں۔

باب اللباس والطیب متی یحلان

حضرت امام طحاویؒ نے باب کے شروع میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں جن سے مسئلہ ثابت ہوا کہ طواف زیارت سے قبل عورتوں کی طرح لباس اور طیب بھی محرم کے لئے نا جائز ہے یہی حضرت عروہؓ کا مذہب ہے جس کو مصنفؒ نے فذھب قوم سے تعبیر فرمایا ہے وخالفھم فی ذٰلک آخرون اس کے اندر جماہیر وغیرہ داخل ہیں سب کے نزدیک رمی اور حلق کے بعد محرم کے واسطے لباس حلال ہو جاتا ہے۔ البتہ طیب میں اختلاف ہے حضرت ابن عباسؓ۔ سعید ابن ابی وقاصؓ۔ ابن زبیرؓ۔ عائشہؓ اور تابعین میں سے ابن جبیرؒ۔ ابراہیم نخعیؒ۔ خارجہ ابن یزیدؒ۔ اہل کوفہؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمدؒ۔ اسحاق ابن راہویہ ابو ثورؒ وغیرہ ہم کے نزدیک طیب حلال ہو جاتی ہے لباس کی طرح لیکن امام مالکؒ وسالمؒ کے نزدیک طیب حلال نہیں ہے جماع کی طرح اب اس کے بعد مصنفؒ نے دو نظر قائم فرمائی ہیں پہلی نظر حضرت عروہؓ اور جمہورؒ کے درمیان فیصل ہے۔ اور دوسری نظر جمہور کے دونوں طائفوں کے درمیان فیصلہ کرے گی پہلی نظر کا حاصل یہ ہے کہ احرام کی حالت میں حلق لباس اور طیب ممنوع ہیں لیکن افعال عمرہ کرنے کے بعد اس کیلئے حلق حلال ہے اب احتمال یہ ہے کہ حلق کے ساتھ ساتھ لباس اور طیب حلال ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حلق کے ساتھ ساتھ لباس اور طیب حلال ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حلق کرانے کے بعد حلال ہوگا۔ اور ایسے ہی شے کے اندر بھی حلق کے بعد یہ چیزیں حلال ہو جائیں گی قیاساً علی العمرہ دوسری نظر کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے طیب کو قیاس کیا لباس پر اور تم نے قیاس کیا جماع پر اب ہم دیکھیں گے کہ طیب کس کے مشابہ ہے

---

[۱] وقالت طائفۃ ۱۲ اوجز ص ۳۳۴ ج ۳، [۲] قال الشافعیؒ وابو حنیفہؒ ۱۲ اوجز ص ۳۳۴ ج ۳، [۳] وروی ذٰلک عن ابن عمرؓ وعروہؓ ۱۲ اوجز ص ۲۶۹، [۴] وھذا قول ابن الزبیرؓ وعائشہؓ ۱۲ او... وروی ایضاً عن ابن عباسؓ ۱۲ اوجز ص ۲۶۹ ج ۳، [۵] فمنعتہ مالکؒ ۱۲ ج ۳ ص ۲۶

اور مناسب ہے غور کرنے سے معلوم ہوا ایک دوسرا باب قائم فرمایا باب حیض المرأۃ بعد طواف النریارۃ یعنی طواف صدر سے پہلے اگر حیض آجائے تو رجوع الی اہل کر سکتی ہے یا نہیں ولید ابن عبد الرحمٰنؒ ایک فقیہ ہیں ان کے نزدیک حلال نہیں ہے کہ طواف صدر سے پہلے گھر لوٹے فذھب قوم کے یہی مصداق ہے جمہور کے نزدیک حائضہ سے طواف زیارت ساقط ہو جاتا ہے۔ ہٰذا رجوع الی اہل جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ مَنْ قدم مِنْ حجة نسكا

مصنفؒ نے اس باب کے شروع میں بہت سی احادیث ذکر فرمائی ہیں جن کے اندر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسک حج میں سے کسی کی تقدیم کسی کی تاخیر ہو جانے کے متعلق سوال ہے آپؐ نے فرمایا افعل ولا حرج اس سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا کہ نسک کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے جس کو چاہے مقدم جس کو چاہے مؤخر کر دیا جائے کچھ واجب نہیں ہوتا حنفیہ کے نزدیک قارن متمتع کے لئے ذبح وحلق کے درمیان ترتیب واجب ہے تقدیم وتاخیر سے دم واجب ہوتا ہے اور ان کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ اس سے اثم کی نفی مقصود ہے۔ دم کی نفی مقصود نہیں ہے پھر احناف کے درمیان دم کے اندر اختلاف ہے امام زفرؒ کے نزدیک دو دم واجب ہیں اور امام صاحبؒ کے نزدیک ایک دم واجب ہے صاحبینؒ ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ہیں مصنفؒ نے ائمہ ثلاثہ اور احناف کے درمیان جو نظر قائم فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے حج کے مسئلہ کو محصر پر قیاس کیا محصر کیلئے حلق بالاتفاق حلال ہوگا جبکہ بلوغ ہدی الی محلہ نہ ہو جائے ایسے ہی قارن حاجی کیلئے بھی ذبح سے قبل حلق جائز نہیں ہے کیونکہ وہ ذبح سے حلال ہوگا تو جب محصر کے اندر اگر بلوغ ھدی سے قبل حلال ہونے کی صورت میں کفارہ ہے ایسے ہی یہاں بھی حلق وغیرہ سے قبل دم واجب ہوگا۔ اب رہ گیا ایک ہوں گے یا دو ہوں گے نظر کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ایک ہی ہو کیونکہ جب موجب اور مقتضیٰ ایک ہی ہے تو وہ جمع بین الحج والعمرہ ہے تو اس جمع کی وجہ سے ایک ہی دم واجب ہوگا۔

المکی یرید العمرۃ

اس کے اندر ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ مکی کے واسطے تنعیم سے عمرہ کرنا ضروری ہے کیوں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے لئے تنعیم کو میقات بنایا جمہورؒ کے نزدیک پوری حل اس کے لئے میقات ہے جہاں چاہے احرام باندھ لے البتہ احنافؒ کے نزدیک تنعیم افضل ہے اور شوافع کے نزدیک جعرانہ پھر اس کے بعد تنعیم افضل ہے۔ اور حضرت عائشہؓ نے تنعیم سے جو عمرہ کیا ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ وہاں سے عمرہ واجب ہے بلکہ وہ اقرب الحل ہے اس وجہ سے احرام باندھا اس کے بعد ایک باب ہے الھدی یسیر عن المحرم۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ فذھب قوم کے اندر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ

[1] وذہب الشافعیؒ وجمہور السلف الخ اوجز ص۴۲۱ ج۳، [2] قال ابن دقیق العید الخ ایضاً، [3] اوجز ص۹۸ ج۳، [4] والذی علیہ الجماہیر الخ ایضاً، [5] انہم اختلفوا فی ان ای موضع من الحل افضل الخ ایضاً،

قول مختار کے اعتبار سے داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک اگر ھدی کو حرم میں جانے سے روک دیا جائے تو غیر حرم میں ذبح کیا جائے گا۔ ان کا استدلال حضور علیہ السلام کی حدیث سے ہے کہ جب آپ کعبہ سے روک دیئے گئے تو حدیبیہ میں غیر حرم کے اندر آپ نے ذبح فرمایا۔ جمہور کے نزدیک نحر غیر حرم میں جائز نہیں ہے اس کے بعد مصنفؒ نے احادیث سے ثابت فرمایا کہ حضورؐ نے نحر ھدی حرم میں فرمایا ہے نیز نظر کا تقاضہ بھی یہی ہے کیونکہ جو شخص دخول حرم پر قادر ہو تو بالاتفاق اس کے لئے غیر حرم کے اندر نحر ھدی جائز نہیں ہے اور حضورؐ دخول حرم پر قادر تھے آپ کو دخول بیت سے روکا گیا تھا نیز دوسری احادیث سے معلوم ہوگیا کہ آپؐ حرم میں پہونچ بھی گئے تھے۔ ولم یکن صیدالاعن البیت الیٰ آخرہٖ ا۔

والله اعلم بالصواب

بَابُ المتمتع الذی لا یجدُ ھدیا

باب کی شروع احادیث سے اس بات کا جواز معلوم ہوا کہ متمتع اگر ھدی نہ پائے اور عشر اول میں ذی الحجہ کے روزے نہ رکھ سکے تو اس کے لئے جائز ہے کہ ایام تشریق میں روزے رکھ لے یہی حکم ہے قارن اور متمتع کا یہ مذہب ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول قدیم ، امام احمدؒ کی ایک روایت یہی ہے فذھب قوم سے یہی لوگ مراد ہیں وخالفھم فی ذٰلک آخرون اس میں حنفیہؒ اور قول جدید میں شوافع حضرات اور امام محمدؒ مرجوح قول کے اعتبار سے داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک ان ایام میں کسی کے روزہ جائز نہیں ہے اور باب کی متعدد احادیث سے یہی معلوم ہوئی اس کے بعد مصنفؒ نے نظر قائم فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ جیسے نہی روزے کی صوم نحر سے ہے ایسے ہی ایام تشریق سے ہے اور اول کے اندر بالاتفاق کسی کے نزدیک روزہ جائز نہیں ہے لہٰذا ایام تشریق میں بھی کسی کے لئے روزہ جائز نہیں ہے ، اور فریق اول کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث منکر ہے اور دو راوی اس کے اندر ضعیف ہیں۔

والله اعلم بالصواب

باب حکم المحصر بالحج

شروع باب میں جو حدیث ہے امام مالکؒ اور ظاہریہ نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ جس کو یہ عذر پیش آجائے تو وہ فوراً احرام سے حلال ہو جاتا ہے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے جمہور کے نزدیک اس محصر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ھدی کو بھیجے اور وہ جب ذبح ہو جائے تب یہ حلال ہوگا۔ ان کا استدلال باب کی بے شمار احادیث سے ہے خود قرآن پاک کی آیت ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ اس کے اندر بلوغ ھدی کے بعد اور ذبح

ع و اوجز ص۲۴۰ و ص۲۴۱ ج۳ ر ۱؎ واما عند الامام مالکؒ فندیجب علیہ الھدی الخ اوجز ص۴۵۸ ج۳ ر

۲؎ وبہ قال ابو حنیفہؒ والشافعیؒ الخ والضاً) واوجز ص۴۵۹ ج۳ ر

ہو جانے کے بعد احرام سے حلال ہو گا دوسرا اختلاف اس مسئلہ کے اندر یہ ہے کہ سبب احصار کیا ہے احناف کے
لئے نزدیک عذر اور مرض دونوں سے احصار ہو سکتا ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف عذر سے احصار ہو گا
مرض سے احصار نہیں ہو گا. مصنف نے نظر قائم فرما کر احناف کے مذہب کو طاقتور بنایا جس کا حاصل یہ ہے
کہ طہارت اور صلوٰۃ کے اندر مرض اور عذر بالاتفاق سب کے نزدیک مسقط ہے احصار کے اندر بھی یہ
دونوں برابر ہوں گے اور مسقط ہوں گے :-

باب حج الصغیر

باب کی پہلی حدیث میں حضور علیہ السلام نے حج کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کا حج ہو گیا. ولك اجر
اس سے داؤد ظاہری نے استدلال کیا ہے کہ اگر بلوغ سے قبل کوئی حج کرے تو فریضہ سے کافی ہے۔
بعد البلوغ اس پر دوبارہ واجب نہیں ہو گا اور انہوں نے قیاس کیا صبی کو من لم یجد سبیلاً
کہ اگر کوئی فقیر بمشقت حج کو چلا جائے تو اس پر حج واجب ہو جاتا ہے اور وہ فریضہ کے لئے کافی
ہے اب اس کے بعد اگر مالدار ہو جائے تو اس پر دوبارہ حج فرض نہیں ہے ایسے ہی بچہ بھی ہے
کہ اس پر حج فقیر کی طرح واجب نہیں ہے لیکن اگر مکہ پہونچ جائے اور حج کرے تو اس کا حج ادا ہو جائیگا
اور جیسے اس فقیر کو دوبارہ حج کی ضرورت نہیں ہے اس کو بھی ضروری نہیں ہے جمہور کے نزدیک بچہ
کا حج فریضہ کو ساقط نہیں کرتا بلکہ بعد البلوغ دوبارہ اس پر حج واجب ہو گا اور حدیث کا جواب جو ان کا
مستدل ہے یہ کہ وہاں اس کو ثابت کرنا مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ اس کے حج کا اعتبار ہو گا اور گویا
یاد رہے اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بچہ کا حج معتبر ہی نہیں ہے اور اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے یہ اصل
بدع کا ایک طائفہ ہے اور ان کا قول قابل التفات نہیں ہے اور ان لوگوں نے جو فقیر پر قیاس کیا تھا
اس کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ نابالغ کو بالغ پر قیاس کرنا خود تمہارے نابالغ ہونے کی دلیل ہے
فقیر شخص اگر بمشقت مکہ پہونچ جائے تو اس پر حج اس وجہ سے ہو گیا کہ وہ ایسا ہو گیا جیسا کہ اس کا گھر
ہی مکہ کے اندر ہے نیز اب وہ احد ابن السبیل کی طرح ہو گیا اور یہاں بچہ پر سے تو قلم ہی مرفوع ہے
خواہ مکہ پہونچے یا نہ پہونچے :- واللہ اعلم بالصواب۔

باب دخول الحرم هل یصلح

امام شافعیؒ - زہریؒ - حسن بصریؒ نے باب کی شروع احادیث سے استدلال کیا کہ مکہ کے
اندر بغیر احرام کے دخول جائز ہے کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے
تھے فذهب قوم کے مصداق یہی ہیں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بغیر احرام کے دخول ممنوع ہے اور

---

۱ اوجز صـ۲۵۵ ج۳، ۲ کوکب صـ۲۹۳ ج۱، ۳ وبہ قال ابن شہابؒ والحسن البصریؒ وروی عن الشافعیؒ والمشہور انہا لا تدخل الا باحرام ۱ھ اوجز صـ۲۵۷ ج۳، ۴ کوکب صـ۲۹۳ ج۱، وانما منعہ طائفۃ من اہل البدع ۱ھ
۵ والمشہور عن الائمۃ الثلاثۃ الوجوب ۱ھ اوجز صـ۳۲۷ ج۳، ۶ بدعتی! ۷ ان کو جن کے نزدیک!

ان لوگوں کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ وہ حضور ؐ کے لئے خاص طور سے حلال کیا گیا تھا جیسا کہ حضور علیہ السلام نے احادیث کے اندر صراحۃً فرمادیا ہے پھران جمہور کے درمیان دو طائفے ہیں ایک جماعت جس کے اندر حنابلہؒ ومالکیہؒ وغیرہ ہیں یہ ہے کہ جیسے قبل المیقات والوں کا حکم ہے ایسے ہی بعد المیقات والے تمام لوگ سوائے اہل مکہ کے اس کے اندر داخل ہیں اور ان کو بھی دخول مکہ بغیر احرام کے ممنوع ہے اور دوسری جماعت جس کے اندر احنافؒ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک قبل المیقات والوں کا ہے بعد المیقات اور خود میقات کے رہنے والوں کے لئے بغیر احرام کے جائز ہے امام طحاوی رحؒ نے احنافؒ کے قول کو مرجوح قرار دیکر طائفہ اولیٰ کے قول کو راجح قرار دیا اور نظر قائم فرمائی کہ اگر کوئی شخص میقات سے قبل احرام باندھے تو کافی ہے اگر میقات سے باندھے تو بھی کافی معلوم ہوا کہ میقات اور قبل المیقات ایک ہی حکم میں ہیں لہٰذا جیسے قبل المیقات والوں کو بغیر احرام کے دخول جائز نہیں ہے ایسے ہی میقات والوں کو بغیر احرام دخول جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب الرجل یوجّہ بالھدی الی مکّۃ

حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے ابن عمرؓ ابن عباسؓ ابراہیم نخعیؒ اور عطاءؒ ابن سیرینؒ فذھب قوم کے مصداق ہیں ان لوگوں کے نزدیک اگر کسی شخص نے مکہ ھدی بھیجی تو وہ خود جب تک حلال نہیں ہوگا جب تک کہ لوگ اپنے حج سے حلال نہ ہو جائیں وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر جمہور ائمہ اربعہؒ ابن مسعودؓ حضرت عائشہؓ ابن الزبیرؓ وغیرہ داخل ہیں ان لوگوں کے نزدیک وہ شخص حلال ہے دوسرے حج عمرہ کرنے والوں کی طرح محرم نہیں رہے گا اور متعدد احادیث ذکر فرمائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ھدایا کو قلادہ ڈال کر روانہ فرماتے تھے۔ اور خود حلال رہتے تھے اس کے بعد مصنفؒ نے نظر قائم فرمائی کہ محرم اپنے احرام سے افعال کے ذریعے نکلتا ہے اور اگر یہ شخص محرم کیطرح ہوتا تو اس کو بھی خود کوئی فعل کرنا پڑتا حالانکہ یہ کوئی فعل نہیں کرتا ویسے ہی حلال ہو جاتا ہے معلوم ہوا کہ اس پر کوئی چیز حرام ہی نہیں ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب نکاح المحرم

حضرت عمرؓ[1] حضرت ابن عمرؓ۔ اور زید بن ثابتؓ سعید بن مسیبؒ سلیمان ابن یسارؒ زہریؒ اوزاعیؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک نکاح نہیں کرسکتا ہے حضور اقدس ؐ نے فرمایا لاینکح ولا تنکح ولا یخطب وخالفھم فی ذلک آخرون اس کے اندر ابن مسعودؓ ابن عباسؓ۔ نخعیؒ۔ حضرت انسؓ۔ سفیان ثوریؒ۔ عطاءؒ۔ عکرمہؒ۔ مسروقؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ و امام ابو یوسفؒ ہیں ان حضرات کے نزدیک نکاح کرسکتا ہے اور نظر کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ کیونکہ محرم کے لئے جماع

---

[1] روی ذلک عن عمرؓ وابنہ وزید الخ اوجز ص۳۹۹ ج۳ [2] قال ابراہیم النخعیؒ والشوریؒ الخ ایضاً [3] معانی الآثار ص ۳۴۴ ج ۱

لباس، صید، طیب، سب ممنوع ہیں۔ لیکن اگر یہ اس کے گھر میں ہوں تو اس کا پھینکنا ضروری نہیں ہے اور مرأۃ کا بھی حال یہی ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت مثل لباس کے ہے صید کی طرح نہیں ہے۔ اور محرم کو لباس کا بیع کرنا جائز ہے۔ لہٰذا عقد نکاح بھی جائز ہے:-

واللہ اعلم بالصواب۔

تمت بالخیر

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عہ حالت احرام صید کی بیع کرنا درست نہیں خواہ یہ محرم غیر محرم کو بیع کرے یا محرم کو (ہدایہ صفحہ ۲۲۶ ج ۱، ر) اسلام الحق غفرلہٗ

لہ اجاب بہ انس بن مالک الخ معانی الآثار صفحہ ۳۴۳ ج ۱، ر)

۲۴ر جنوری ۸۵ء

عرضِ ناشر

دوسرا ایڈیشن ہدیۂ ناظرین ہے پہلے ایڈیشن میں باوجود کوشش کے کچھ اغلاط رہ گئی تھیں جس پر بعض احباب نے توجہ بھی دلائی جن کا ہم قلب صمیم سے شکریہ ادا کرتے ہیں اس کی اصل وجہ یہ بھی کہ یہ درسی تقریر ہے جسکو دوران درس قلم بند کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ دوران تقریر قلم بند کرنا قدرے عجلت کیساتھ ہوا کرتا ہے جسمیں کچھ نہ کچھ غلطی کا امکان ہو ہی جاتا ہے۔ تاہم اس جدید ایڈیشن میں بڑی حد تک صحت کی گئی ہے اور اسکے علاوہ ہر باب کیلئے حاشیہ میں راقم الحروف ناشر نے حوالہ کتب نیز اقوال و مذاہب کا بالاختصار اضافہ کیا ہے! اصل تقریر میں غالباً دو یا تین جگہ بعض اسماء میں ناقل سے سہو ہوا ہے جسکی طرف حاشیہ میں۔ نشاندہی کر دی ہے۔ اسکے بعد بھی اگر ناظرین کرام کو کوئی فروگذاشت معلوم ہو تو ہماری طرف منسوب کرتے ہوئے احقر ناشر کو مطلع فرما دینگے"

جزاکم اللہ واحسن الجزاء

فانشر:- احقر اسلام الحق اسعدی المظاہری ۲۶،۱۳ شعبان ۱۴۰۵ھ ۱، ۳؍۵؍۸۵ء

فہرست عنوانات

ہماری مطبوعات ایک نظر میں

تقریر طحاوی شریف جدید ایڈیشن
تشریحات علی المشکوٰۃ فی جز
مقدمۃ المشکوٰۃ مترجم
خیر الاصول
مصباح الاحادیث
اسعاد النحو شرح نحو میر
مصباح القدوری شرح اردو قدوری
(کور بکس بورڈ)
نور الفتاح اردو شرح نور الایضاح
(کور بکس بورڈ)
مصباح الوقایہ شرح اردو شرح وقایہ اول
" " " دوم
مشکوٰۃ الانوار اردو شرح نور الانوار
مصباح الحسامی اردو شرح حسامی
جدید عین الہدایہ اردو شرح ہدایہ
جلد ثالث، جز اول، دوم
مذاہب اربعہ اردو
مصباح العقائد یا تہذیب العقائد
رسم المفتی (عکسی)
فارسی اول مترجم و شرح

کریما مترجم
نحو میر بحاشیہ اردو
فارسی دوم
کریما
تیسیر المبتدی
تذکرۃ المصنفین والمؤلفین
معلم المیزان
تفسیر جمالین اردو شرح
جلالین شریف قسط اول
سیرت النبی ابن ہشام قسط اول
تاریخ مشائخ ہند جلد اول بلا جلد
" " " جلد دوم بلا جلد
" " " سہروردیہ بلا جلد
تذکرہ ائمہ اربعہؒ بلا جلد
تذکرہ سلطان الہند خواجہ
معین الدین چشتی اجمیریؒ
تذکرہ شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ
تذکرہ شیخ کبیر فرید الدین گنج شکرؒ
ختم نبوت (کامل) مجلد
مقام صحابہؓ (کور بکس بورڈ)

ملنے کا پتہ: مکتبہ اسعدی (دار العلوم) شاہ بہلول، سہارنپور، یو۔ پی